4

هفت روزہ

خدام الدین

لاہور

زیر سرپرستی

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی مدظلہ

شیرانوالہ دروازہ لاہور

۷ محرم الحرام ۱۳۷۸ھ

۲۵ جولائی ۱۹۵۸ء

قیمت ۵ آنے

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور

اَحادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیّت

عَنِ العِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ كَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا فَقَالَ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا فَاِنَّهٗ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَّكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّهُمَا لَمْ يَذْكُرَا الصَّلٰوةَ ۔

ترجمہ ۔ عرباض بن ساریہؓ کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ۔ پھر آپ ہماری طرف منہ کرکے بیٹھ گئے ۔ اور ہم کو نہایت مؤثر الفاظ میں نصیحت کی کہ ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ۔ اور دلوں میں خوف پیدا ہوگیا ۔ پس ہم میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (شاید) یہ آخری وصیت ہے ۔ پس آپ ہم کو کچھ اور نصیحت فرمائیے ۔ آپ نے فرمایا میں تم کو وصیّت کرتا ہوں کہ تم اللہ سے ڈرتے رہو ۔ اور نصیحت کرتا ہوں تم کو سننے اور اطاعت کرنے کی اگرچہ تم کو حبشی غلام کی اطاعت کرنی پڑے ۔ پس تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے اور اختلاف کثیر کو دیکھے گا ایسی حالت میں تم پر لازم ہے میرے اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کو مضبوط پکڑلے ۔ اسی (طریقہ) پر بھروسہ رکھو ۔ اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور بچو تم (دین میں) نئی باتیں پیدا کرنے سے اس لئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے ۔ (احمد ۔ ابو داؤد ۔ ترمذی ۔ ابن ماجہ ۔ مگر اس روایت میں ترمذی اور ابن ماجہ نے نماز پڑھنے کا ذکر نہیں کیا ہے)

صراطِ مستقیم

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا ثُمَّ قَالَ هٰذَا سَبِيْلُ اللهِ ثُمَّ خَطَّ خُطُوْطًا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَالَ هٰذِهٖ سُبُلٌ عَلٰى كُلِّ سَبِيْلٍ مِنْهَا شَيْطٰنٌ يَدْعُوْا اِلَيْهِ وَقَرَاَ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ الْاٰيَةَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ

ترجمہ ۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں ۔ کہ (ایک مرتبہ ہمارے سمجھانے کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک (سیدھا) خط کھینچا ۔ پھر فرمایا یہ تو اللہ کا راستہ ہے ۔ پھر آپ نے اس خط کے دائیں بائیں اور چند خط کھینچے اور فرمایا یہ بھی راستے ہیں ۔ جن میں سے ہر ایک راستہ پر شیطان (بیٹھا ہوا) ہے ۔ جو اپنے راستہ کی طرف بلاتا ہے ۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی ۔ وان ھٰذا صراطی مستقیما فاتبعوا الخ یعنی یہ میرا سیدھا راستہ ہے پس اس کی پیروی کرو ۔ (احمد ۔ نسائی ۔ دارمی)

انسان کامل مومن کب ہوتا ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَقَالَ النَّوَوِيُّ فِيْ اَرْبَعِيْنِهٖ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ رَوَيْنَاهُ فِيْ كِتَابِ الْحُجَّةِ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ

ترجمہ ۔ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک پورا مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس چیز کی تابع نہیں ہوتیں جس کو میں (خدا کی طرف سے) لایا ہوں (یعنی دین اور شریعت) (یہ روایت شرح السنۃ میں ہے ۔ اور نووی نے اربعین میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے ۔ جس کو ہم نے کتاب حجۃ میں سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے)

ایک پیشین گوئی

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَاْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِيْ كَمَا اَتٰى عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰى اُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِيْ اُمَّتِيْ مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ وَاِنَّ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِيْ عَلٰى ثَلٰثٍ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ اَحْمَدَ وَاَبِيْ دَاؤُدَ عَنْ مُعَاوِيَةَ ثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ وَاِنَّهٗ سَيَخْرُجُ فِيْ اُمَّتِيْ اَقْوَامٌ تَتَجَارٰى بِهِمْ تِلْكَ الْاَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهٖ لَا يَبْقٰى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصِلٌ اِلَّا دَخَلَهٗ ۔

ترجمہ ۔ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کہ میری اُمّت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر آیا تھا ۔ بالکل درست اور ٹھیک جیسی کہ دونوں جوتیاں برابر اور ٹھیک ہوتی ہیں ۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں سے علانیہ بدفعلی کی ہوگی تو میری اُمّت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو ایسا کریں گے ۔ اور بنی اسرائیل کی قوم بہتّر فرقوں میں منقسم ہوگئی تھی میری اُمّت تہتّر فرقوں میں منقسم ہوگی ۔ جن میں سے صرف ایک فرقہ جنّتی ہوگا ۔ اور باقی سب دوزخ میں جائیں گے صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ ! جنتی فرقہ کونسا ہوگا ۔ آپ نے فرمایا وہ فرقہ جس میں میں ہوں اور میرے اصحاب (ترمذی)

اور احمد اور ابو داؤد نے معاویہؓ سے جو روایت کی ہے ۔ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ بہتر گروہ دوزخ میں جائیں گے اور ایک گروہ جنّت میں اور جنتی گروہ جماعت ہے ۔ اور البتہ نکلیں گی ۔ میری اُمّت میں کئی قومیں جن میں خواہشات اس طرح رائج ہو جائیں گی ۔ جس طرح ہڑک ہڑک والے میں جاری ہو جاتی ہے ۔ کہ کوئی رگ اور کوئی جوڑ اس سے باقی نہیں بچتا ۔

عَنْ اَبِيْ مُوْسٰىؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الَّذِيْ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِيْ لَا يَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ (متفق علیہ)

ترجمہ :۔ ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے ۔ اور جو نہیں کرتا زندہ اور مردہ کی سی ہے

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

جلد ۴ | جمعۃ المبارک محرم الحرام ۱۳۷۸ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۹۵۸ء | شمارہ ۱۱

تیسری عالمگیر جنگ کے آثار

اس وقت دُنیا دو متحارب گروہوں میں بٹی ہوئی ہے - دونوں کے نظریات میں زمین و آسمان کا فرق ہے دونوں ایک دوسرے کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں - ایک طرف مغربی طاقتوں کا گروہ ہے جس کی قیادت امریکہ کے ہاتھ میں ہے - اس میں برطانیہ فرانس اور مغربی جرمنی کے علاوہ یورپ اور ایشیا کے بہت سے ملک شامل ہیں - اس بلاک کے کرتا دھرتا سرمایہ دار ممالک ہیں - دوسری طرف روسی بلاک ہے - جس کی قیادت روس کے ہاتھ میں ہے - یہ بلاک اشتراکیت کا حامی ہے - اس میں چین - پولینڈ مشرقی جرمنی اور یوگو سلاویہ شامل ہیں -

گزشتہ چند سالوں میں ان دونوں بلاکوں میں کئی دفعہ جنگ کے سامان پیدا ہُوئے مگر دُنیا کی خوش قسمتی سے ہر دفعہ جنگ ٹلتی رہی - مثلاً کوریا اور ہنگری میں جو واقعات رونما ہوئے وہ امنِ عالم کو تباہ و برباد کرنے کے لئے کافی تھے مگر بعض وجوہ کی بناء پر جنگ ٹل گئی -

اب کچھ عرصہ سے پھر جنگ کے سامان پیدا ہو رہے ہیں - بحیثیت مسلمان کے موجودہ صورتِ حال ہمارے لئے اس لئے زیادہ تشویشناک ہے کہ اگر خدانخواستہ جنگ چھڑ گئی تو دونوں طرف سے تباہی کا نشانہ مسلمان کو بنایا جائیگا - ہم نے ۲۳ مئی ۱۹۵۸ء کے شمارہ میں مشرق وسطیٰ کی صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ لبنان میں جنگ کی جو چنگاری سلگ رہی ہے - وہ کسی وقت بھی امنِ عالم کو جلا کر خاکستر کرسکتی ہے - تقریباً دو ماہ تک تو یہ چنگاری سلگتی رہی - اور دونوں بلاک مداخلت کے لئے مناسب موقعہ کی تلاش میں ایک دوسرے کا منہ تکتے رہے - عراق میں فوجی انقلاب کے باعث مغربی طاقتوں کو مداخلت کا بہانہ مل گیا - اور لبنان کے صدر کی درخواست پر امریکی فوجیں لبنان بھیج دی گئیں - اُدھر شاہِ اردن کی درخواست پر برطانوی فوجیں اردن پہنچ گئیں -

مشرقِ وسطیٰ میں امریکہ اور برطانیہ کی مداخلت نے ایسے خطرناک حالات پیدا کر دیئے ہیں جن کی وجہ سے ممکن ہے کہ جب تک یہ سطور قارئین کرام کے مطالعہ میں آئیں تیسری عالمگیر جنگ شروع ہوچکی ہو - ہماری دلی خواہش ہے کہ خدا کرے حالات رو باصلاح ہو جائیں اور جنگ کا خطرہ کسی نہ کسی طرح ٹل جائے -

لبنان میں امریکی مداخلت کے متعلق روس نے ایک سرکاری اعلان میں کہا ہے کہ وہ خاموش تماشائی نہیں بنا رہ سکتا کیونکہ یہ ایک ایسے علاقہ کے لئے عظیم خطرہ ہے - جو اس کی سرحدوں سے ملحق ہے - اس نے امریکہ سے مطالبہ بھی کیا ہے کہ وہ فوراً لبنان سے اپنی فوجیں واپس بُلالے -

لبنان میں امریکی مداخلت پر دونوں بلاکوں کے اکثر ممالک کا ردِّ عمل دونوں کی ذہنیت کا آئینہ دار ہے - امریکہ کے طرفداروں نے امریکی مداخلت کی تائید اور روسی بلاک کے ممالک نے اس کی مذمت کی ہے - مشرقِ وسطیٰ کے اس بحران پر غور کرنے کے لئے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا اجلاس بھی شروع ہو چکا ہے -

ہماری رائے میں امریکہ نے لبنان میں مداخلت کرکے امنِ عالم کو تباہ کرنے کی کوشش کی ہے - اس لئے ہم اس مداخلت کی پُر زور مذمت کرتے ہیں - ہماری رائے میں معاہدۂ بغداد کے تین مسلم ممالک پاکستان - ایران اور ترکی کے سربراہوں نے امریکی مداخلت کی تائید کرکے خواہ مخواہ عرب ممالک کی دُشمنی مول لی ہے - اس لئے ہم اس کے خلاف احتجاج کرتے ہیں -

عراق اور معاہدۂ بغداد

معاہدۂ بغداد کے پانچ ارکان ہیں - ان میں سے چار مسلم ممالک ہیں - پانچواں رکن برطانیہ ہے - چار مسلم ممالک عراق - ایران - ترکی اور پاکستان ہیں - امریکہ اگرچہ اس کا رکن نہیں - لیکن وہ اس کی بعض کمیٹیوں کا ممبر ہے -

عراق میں فوجی بغاوت کی وجہ سے وہاں کی حکومت کا تختہ اُلٹ گیا ہے - شاہِ عراق - ولی عہد اور وزیر اعظم کے متعلق متضاد خبریں آرہی ہیں - اغلب یہی ہے کہ ان تینوں کو قتل کر دیا گیا ہے - فوج نے عراق میں جمہوریہ کا اعلان کر دیا ہے -

اِن واقعات کا اس معاہدہ پر کیا اثر ہوگا - اس کے متعلق فی الحال وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے - اس معاہدہ کے مخالف ممالک کی رائے میں تو یہ معاہدہ ختم ہوچکا ہے - عراق کے علاوہ اس کے باقی چار ارکان کی طرف سے معاہدہ کے متعلق کوئی اعلان نہیں ہُوا - غالباً وہ اس کے متعلق غور و فکر کرتے کے بعد کوئی اعلان کریں گے - معاہدہ کا دفتر اور اس کے تمام کاغذات عراق کی نئی حکومت کے قبضہ میں ہیں - جو اس معاہدہ کے خلاف ہے - ان حالات میں معاہدہ کی از سرِ نو تشکیل کی ضرورت ہوگی - ہماری رائے میں پاکستان کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ اس سے علیحدگی اختیار کرلے - کیونکہ اس سے ہمارے ملک کو اب تک کوئی فائدہ نہیں پہنچا - اس کے برعکس عرب ممالک کی اکثریت پاکستان سے بدظن ہوگئی ہے -

پتہ کی چٹ پر سُرخ نشان

کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا چندہ ختم ہے - آئندہ پرچہ جاری رکھنے کے لئے مزید چندہ بھجوائیں

گلہائے عقیدت

(از جناب ابو الحسن صاحب قاسمی ناظم انجمن خدام ملت ملتان شہر)

صبا لے چل ہمیں سوئے محمدؐ
دکھا دے تو ہمیں کوئے محمدؐ

زبانِ کفر پر صادق امیں ہے
مقدس کتنی ہے خوئے محمدؐ

معطر ہو گیا سارا زمانہ
کھلے تھے جب ہی گیسوئے محمدؐ

سلاطین جہاں جھکتے ہیں اس کو
بنے جو سائل کوئے محمدؐ

زلیخا حسنِ یوسفؑ کو بھلاتی
اگر وہ دیکھتی روئے محمدؐ

بہت خوش بخت ہیں وہ سونے والے
ملا ہے جن کو پہلوئے محمدؐ

منور آفتاب و ماہ و انجم
یہ سب ہے پرتو روئے محمدؐ

دعائے قاسمی ہے میرے مولیٰ
دکھا دے تو ہمیں کوئے محمدؐ
صلی اللہ علیہ وسلم

رباعی

ہے تکبر زر پہ لاحاصل کہ بعد از مرگ بس
ایک ہی رستہ ہے سب شاہ و گدا کے واسطے

مال و زر ملک و زمیں فوج و سپہ جاہ و حشم!
کب کسی کو ہے بقا سب ہے فنا کے واسطے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبہ یوم الجمعہ ۲۹ر ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۸ر جولائی ۱۹۵۸ء

دو حصے

پہلا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے شکایات۔

دوسرا۔ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا ایسا طرزِ عمل جس سے شکایت کی نوبت ہی نہ آئے۔

(از جناب شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب جامع مسجد شیرانوالہ دروازہ لاہور)

تمہید

برادرانِ اسلام۔ اس گنہگار کی یہ دلی تمنا ہے۔ کہ ہر مسلمان کا اپنے اللہ سے تعلق مرنے سے پہلے بالکل ٹھیک ہو جائے تاکہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے تعلق درست ہونے کے باعث انسان پر کوئی گرفت نہ ہونے پائے۔ اور ہر مسلمان کی قبر بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جائے۔ اسی مقصد کے پیش نظر آج میری معروضات کا پہلا حصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے جو شکایات قرآن مجید میں موجود ہیں ان سے مسلمانوں کو متنبہ کر دیا جائے۔ تاکہ مرنے سے پہلے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ سے درست کر کے جائیں۔

شکایات کی تفصیل

پہلی

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ خُلِقَ هَلُوۡعًا ۙ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوۡعًا ۙ وَّاِذَا مَسَّهُ الۡخَيۡرُ مَنُوۡعًا ۙ

سورہ المعارج رکوع ۱ پارہ ۲۹

ترجمہ۔ بیشک انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے۔ تو چلّا اٹھتا ہے۔ اور جب اسے مال ملتا ہے تو بڑا بخیل ہے۔

حاشیہ شیخ الاسلام

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "یعنی کسی طرف پختگی اور ہمت نہیں دکھلاتا۔ فقر و فاقہ، بیماری اور سختی آئے۔ تو بے صبر ہو کر گھبرا اُٹھے بلکہ مایوس ہو جائے۔ گویا اب کوئی سبیل مصیبت سے نکلنے کی باقی نہیں رہی۔ اور مال و دولت، تندرستی اور فراخی ملے۔ تو نیکی کے لئے ہاتھ نہ اُٹھے۔ اور مالک کے راستہ میں خرچ کرنے کی توفیق نہ ہو۔

حاصل

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی بے صبری اور مایوسی سے ناراض ہو رہا ہے۔ اور مال و دولت مل جائے تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنے سے ناراض ہوتا ہے۔

دوسری

فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰٮهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَكۡرَمَنِ ؕ وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰٮهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَهَانَنِ ۚ سورہ الفجر رکوع ۱ پارہ ۳۰

ترجمہ۔ لیکن انسان تو ایسا ہے کہ جب اسے اس کا رب آزماتا ہے پھر اسے عزت اور نعمت دیتا ہے۔ تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت بخشی ہے۔ لیکن جب اسے آزماتا ہے۔ پھر اس پر اس کی روزی تنگ کرتا ہے۔ تو کہتا ہے۔ کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔ ہرگز نہیں۔

حاصل

اللہ تعالیٰ کو انسان سے یہ شکایت ہے کہ عام طور پر خوشی کے وقت تو یہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دی ہے اور جب کسی مصلحت کی بنا پر رزق کی تنگی کر دی جاتی ہے۔ تو کہتا ہے۔ کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا ہے۔

چاہیئے یہ تھا

کہ انسان ہر راحت و رنج میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہتا۔ چنانچہ بہادر شاہ مرحوم جو دہلی کے تخت پر آخری مسلمان بادشاہ تھے۔ وہ فرماتے ہیں۔

شعر

ظفرؔ آدمی اس کو نہ جانیئے ۔ گو ہو کتنا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی۔ جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

لہٰذا

انسان کا فرض ہے کہ ہر راحت و رنج میں اللہ تعالیٰ سے تعلق درست رکھے۔ اللہ تعالیٰ عزت عطا فرمائے۔ تو اس کا فضل خیال کرے۔ اور تکلیف پہنچے تو اسے اپنے گناہوں کی شامت خیال کرے۔

اس کا ثبوت

کہ تکلیف انسان کے گناہوں کا خمیازہ ہوتا ہے (كَلَّا بَل لَّا تُكۡرِمُوۡنَ الۡيَتِيۡمَ ۙ وَلَا تَحٰٓضُّوۡنَ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ۙ وَتَاۡكُلُوۡنَ التُّرَاثَ اَكۡلًا لَّـمًّا ۙ وَّتُحِبُّوۡنَ الۡمَالَ حُبًّا جَمًّا ؕ) سورہ الفجر پارہ ۳۰

ترجمہ۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے۔ اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو۔ اور میت کا ترکہ سب سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ اور مال سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہو۔

گویا کہ

تم پر رزق کی تنگی ان گناہوں کے باعث ہوتی ہے۔ نہ کہ اللہ تعالیٰ نے خدانخواستہ ظلم کر کے تمہارا رزق تنگ کیا ہے۔ کسی نے ٹھیک کہا ہے۔ مصرعہ

آنچہ بر ما است از ما ست

ترجمہ۔ یہیں جو حالات پیش آ رہے ہیں وہ در اصل ہمارے ہی اعمال کا نتیجہ ہیں۔

تیسری

وَقَالَ مُوۡسٰى رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَيۡتَ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَاَهٗ زِيۡنَةً وَّاَمۡوَالًا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا

رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ج رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ○

سورہ یونس رکوع ۹ پارہ ۱۱

ترجمہ۔ اور موسیٰؑ نے کہا۔ اے رب ہمارے تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں آرائش اور ہر طرح کا مال دیا ہے۔ اے رب ہمارے یہاں تک کہ انہوں نے تیرے راستہ سے گمراہ کر دیا۔ اے رب ہمارے ان کے مالوں کو برباد کر دے۔ اور ان کے دلوں کو سخت کر دے۔ پس یہ ایمان نہیں لائینگے یہاں تک کہ درد ناک عذاب دیکھیں۔

حاصل

یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور ان کے سرداروں کے متعلق اللہ تعالےٰ کے حضور میں شکایت کر رہے ہیں کہ آپ نے انہیں زندگی کی آرائش کا سامان اور مال و متاع عطا فرمایا ہوا ہے۔ بجائے اس کے کہ یہ لوگ تیرے ممنون احسان ہوکر لوگوں کو تیرے دروازے کی طرف بلاتے۔ الٹا لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اس لئے ان کے مالوں کو برباد کر دے۔ اور ان کے دلوں کو سخت کر دے۔ تاکہ یہ لوگ کسی کو گمراہ کر ہی نہ سکیں۔ اور یہ لوگ تیرا عذاب دیکھے بغیر ایمان بھی نہیں لائیں گے۔

حاشیہ شیخ الاسلام

ان آیات پر حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔ "بعض مفسرین نے "لیضلوا" میں لام عاقبۃ لیا ہے۔ جیسے فالتقطہ آل فرعون لیکون لھم عدوا وحزنا" میں "لام عاقبۃ" ہے۔ اس وقت مطلب یہ ہوگا۔ کہ سامان دیا تو اس لئے تھا۔ کہ امور خیر میں خرچ کریں اور نعمتوں کو لے کر منعم حقیقی کو پہچانیں۔ اس کے شکر گزار بندے بنیں۔ مگر اس کے برخلاف انہوں نے اپنی بدبختی سے خدا کی نعمتوں کو لوگوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے میں ایسا بیدریغ خرچ کیا۔ گویا وہ اسی کام کے لئے ان کو دی گئی تھیں۔ اس تفسیر پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ جب موسیٰ علیہ السلام مدت دراز تک ہر طرح ہدایت کر چکے۔ اور عظیم الشان معجزات دکھلا چکے۔ مگر معاندین کا جحود و عناد بڑھتا ہی رہا۔ حتیٰ کہ تجربہ اور طول صحبت یا وحی الٰہی سے پوری طرح ثابت ہوگیا۔ کہ یہ لوگ کبھی ایمان لانے والے نہیں۔ تب ان کی ہلاکت کی دعا فرمائی۔ تاکہ ان کی گندگی سے دنیا جلد پاک ہو۔ اور دوسروں کے لئے ان کی بد انجامی درس عبرت بنے۔ آپ نے بد دعا کی کہ خداوندا ان کے اموال کو تباہ اور ملیا میٹ کر دے اور ان کے دلوں پر سخت گرہ لگا دے۔ جن میں کبھی ایمان و یقین نفوذ نہ کرے۔ بس اسی وقت یقین حاصل ہو۔ جب اپنی آنکھوں سے عذاب الیم کا مشاہدہ کر لیں۔ یہ دعا ان کے حق میں ایسی سمجھو۔ جیسی ابلیس کو "لعنۃ اللہ" یا کفار کو "خذلھم اللہ" کہا جاتا ہے۔ حالانکہ ان کی ملعونیت و خذلان کا قطعی فیصلہ پیشتر سے کیا جا چکا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رح نے آیت کی تقریر دوسری طرز سے کی ہے۔ فرماتے ہیں "سچے ایمان کی ان سے امید نہ تھی مگر جب کچھ آفت پڑتی تو جھوٹی زبان سے کہتے کہ اب ہم مانیں گے۔ اس میں عذاب تھم جاتا۔ کام فیصل نہوتا۔ دعا اس واسطے مانگی۔ کہ یہ جھوٹا ایمان نہ لائیں۔ دل ان کے سخت رہیں۔ تا عذاب پڑ چکے۔ اور کام فیصل ہو۔"

چوتھی

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ج فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ط كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

سورہ یونس رکوع ۲ پارہ ۱۱

ترجمہ۔ اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے۔ تو لیٹے اور بیٹھے اور کھڑے ہونے کی حالت میں ہمیں پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اس سے اس تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو اس طرح گزر جاتا ہے۔ گویا کہ ہمیں کسی تکلیف پہنچنے پر پکارا ہی نہیں تھا۔ اسی طرح بیباکوں کو پسند آیا ہے۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔

حاصل

اللہ تعالےٰ نے مذکورۃ الصدر آیت میں اپنے بندوں کے متعلق یہ شکایت کی ہے۔ کہ انسان پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو ہمیں لیٹے اور بیٹھے اور کھڑے ہونے کی حالت میں مسلسل پکارتا رہتا ہے۔ کہ اے اللہ تو اپنی قدرت کاملہ سے مجھے اس مصیبت سے نکال دے۔ اس کی اس کی مسلسل عاجزانہ دعاؤں کو قبول فرما کر جب اللہ تعالےٰ اسے مصیبت کے گڑھے سے نکال دیتا ہے تو پھر وہی انسان اللہ تعالےٰ سے ایسا بے تعلق ہو جاتا ہے۔ گویا کہ اس نے کبھی اللہ تعالےٰ سے راہ و رسم رکھا ہی نہیں۔

بد نصیبی

یہ کتنی بڑی بدنصیبی ہے۔ کہ مصیبت کے وقت ہاتھ جوڑ کر منت سماجت کر کے اللہ تعالےٰ سے کام کرا لیا۔ جب اس نے اس کی دست گیری فرما کر اس کی بے بسی پر رحم کھا کر مصیبت سے نکال دیا۔ کام نکلوا لینے کے بعد انسان ایسا طوطا چشم ہو جاتا ہے۔ گویا کہ اس کا اللہ تعالےٰ سے کوئی راہ و رسم ہی نہیں۔ وہ ہی غرور وہی غفلت کا نشہ وہی اکڑفوں جس میں پہلے مبتلا تھا۔ عاجزی تو بھول گئی۔ اب پھر وہی چیزیں اس کا شعار بن کر رہ گئیں۔ اللھم لا تجعلنا منھم

پانچویں

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ج وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ط اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا لا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ قف فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ○ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا

رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝)

سورة الاعراف رکوع ۱۶ پارہ ۹

ترجمہ۔ اور ہم نے فرعون والوں کو قحطوں میں اور میووں کی کمی میں پکڑ لیا تاکہ وہ نصیحت مانیں۔ جب ان پر خوشحالی آتی تو کہتے۔ کہ یہ تو ہمارے لئے ہونا ہی چاہئے۔ اور اگر انہیں کوئی بد حالی پیش آتی تو موسےٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے۔ یاد رکھو۔ ان کی نحوست اللہ کے علم میں ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور کہا جو کوئی نشانی تو ہمارے پاس لائیگا۔ کہ ہم پر اس کے ذریعہ سے جادو کرے۔ سو ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ پھر ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون یہ سب کھلے کھلے معجزے بھیجے۔ پھر بھی انہوں نے تکبر ہی کیا۔ اور لوگ گنہگار تھے اور جب ان پر کوئی عذاب آتا۔ تو کہتے اے موسےٰ ہمارے لئے اپنے رب سے دُعا کر۔ جس کا اُس نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے۔ اگر تو نے ہم سے یہ عذاب دُور کرا دیا تو بیشک ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے۔ اور بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ بھیج دینگے۔ پھر جب ہم نے ان سے ایک مدت تک۔ عذاب اُٹھا لیا کہ انہیں اس مدت تک پہنچنا تھا۔ اس وقت وہ عہد توڑ ڈالتے۔ پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا۔ پھر ہم نے انہیں دریا میں ڈبو دیا۔ اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا۔ اور وہ ان سے غافل تھے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کا حاشیہ

مذکورۃ الصدر آیات پر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ "حضرت موسیٰؑ کو فرعون سے چالیس برس مقابلہ رہا۔ اس پر کہ بنی اسرائیل کو اپنے وطن جانے دے۔ اس نے نہ مانا۔ ان کی بد دُعا سے یہ بلائیں پڑیں۔ دریائے نیل چڑھ گیا۔ کھیت اور باغ بہت تلف ہوئے۔ اور ٹڈی سبزی کھا گئی اور آدمیوں کے بدن میں اور کپڑوں میں چچڑیاں پڑ گئیں۔ اسی طرح ہر چیز میں مینڈک پھیل گئے۔ اور ہر پانی لہو بن گیا۔ آخر ہرگز نہ مانا۔ یہ سب بلائیں ان پر آئیں۔ ایک ایک ہفتہ کے فرق سے۔ اول حضرت موسےٰ فرعون کو کہہ آتے۔ کہ اللہ تم پر بلا بھیجے گا۔ وُہی بلا آتی۔ پھر مضطر ہوتے۔ حضرت موسےٰ کی خوشامد کرتے۔ ان کی دُعا سے دفع ہوتی۔ پھر منکر ہو جاتے۔ آخر کو وبا پڑی۔ نصف شب کو سارے شہر میں ہر شخص کا پہلا بیٹا مرگیا۔ وہ لگے مُردوں کے غم میں۔ حضرت موسےٰؑ اپنی قوم کو لے کر شہر سے نکل گئے پھر کئی روز کے بعد فرعون پیچھے لگا دریائے قلزم پر جا پکڑا۔ وہاں یہ قوم سلامت گزر گئی۔ اور فرعون ساری فوج سمیت غرق ہُوا۔

شیخ الاسلام کا حاشیہ

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں "سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ جب فرعون نے موسےٰ علیہ السلام کے مطالبہ (بنی اسرائیل کی آزادی) کو تسلیم نہ کیا۔ تو حق تعالےٰ نے بارش کا طوفان بھیجا۔ جس سے کھیتوں وغیرہ کی تباہی کا اندیشہ ہوگیا۔ آخر گھبرا کر حضرت موسےٰ سے درخواست کی۔ کہ تم اپنے خُدا سے کہہ کر یہ بلاء طوفان دُور کرا دو تو ہم بنی اسرائیل کو آزادی دے کر تمہارے ساتھ روانہ کر دیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے بارش بند ہوگئی اور بجائے نقصان کے پیداوار بہت کثرت سے ہوئی۔ فرعونی عذاب سے بیفکر ہو کر اپنے عہد پر قائم نہ رہے۔ تب اللہ تعالےٰ نے تیار کھیتوں پر ٹڈی دل بھیج دیا۔ جسے دیکھ کر پھر گھبرائے۔ کہ یہ نئی آفت کہاں سے آگئی۔ پھر موسےٰ علیہ السلام سے دُعا کی درخواست کی۔ اور پختہ وعدے کئے۔ کہ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم ضرور بنی اسرائیل کو آزاد کر دینگے۔ جب یہ عذاب بھی اُٹھا لیا گیا۔ تو پھر مطمئن ہوگئے۔ اور سب وعدے فراموش کر دیئے۔ آخر جس وقت غلّہ اُٹھا کر مکانوں میں بھر لیا۔ تو خُدا کے حکم سے غلّہ میں گھن لگ گیا۔ پھر موسےٰؑ سے دُعا کرائی۔ اور بڑے پکّے عہد و پیمان کئے۔ لیکن جہاں وہ حالت ختم ہُوئی۔ بدستور سابق سرکشی اور بد عہدی کرنے لگے۔ تو خدا نے ان کا کھانا اور پینا بے لطف کر دیا۔ مینڈک اس قدر کثرت سے پیدا کر دیئے گئے۔ کہ ہر کھانے اور برتن میں مینڈک نظر آتا تھا۔ جب بولنے یا کھانے کے لئے مُنہ کھولتے۔ مینڈک جست کر کے مُنہ میں پہنچتا تھا۔ اور ویسے بھی اس جانور کی کثرت نے رہنا سہنا مشکل کر دیا۔ اِدھر پینے کے لئے جو پانی لینا چاہتے وُہی خدا کے حکم سے برتنوں میں یا مُنہ میں پہنچ کر خون بن جاتا۔ غرض کھانے پینے تک سے عاجز ہو رہے تھے۔ اس پر بھی شیخی اور اکڑفوں وُہ ہی تھی۔"

سات مرتبہ عہد شکنی

مذکورۃ الصدر آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ فرعون کی قوم نے اللہ تعالےٰ سے سات مرتبہ عہد شکنی کی۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ کا عذاب ان پر آیا۔ اور تقدیر الٰہی کے مطابق اپنے آپ کو غرق کرانے کے لئے خود ہی بحیرہ قلزم میں جا پہنچے۔

جب موت سر پر آ کھڑی ہو
اس وقت کا ایمان قبول نہیں ہوتا

چنانچہ جب فرعون بحیرہ قلزم میں غرق ہونے لگا۔ اس وقت کہتا ہے
(حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝)

سورہ یونس رکوع ۹ پارہ ۱۱

ترجمہ۔ یہاں تک کہ جب (فرعون) ڈوبنے لگا۔ کہا۔ میں ایمان لایا۔ کہ کوئی معبود نہیں۔ مگر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ اب یہ کہتا ہے۔ اور تو اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا۔ اور

مفسدوں میں داخل رہا -

شاہ عبدالقادر صاحب رح کا حاشیہ

آخری آیت پر تحریر فرماتے ہیں۔ "یہ اللہ فرماتا ہے - یعنی ساری عمر مخالف رہا - اب عذاب دیکھ کر یقین لایا - اس وقت کیا معتبر ہے - "

دوسرا حصہ

اللہ تعالےٰ کے مقبول بندوں کا ایسا طرز عمل جس سے شکایت کی نوبت ہی نہ آئے -

اس کی مثالیں

پہلی

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَؤُا أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ○ قَالَ عِفْرِيتٌ مِنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ○ قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ○ سورہ النمل ع ۳ پ ۱۹

ترجمہ - (سلیمان علیہ السلام نے) کہا - اے دربار والو تم میں کوئی ہے - کہ میرے پاس اس (بلقیس) کا تخت لے آئے - اس سے پہلے کہ وہ میرے پاس فرمانبردار ہو کر آئیں - جنوں میں سے ایک دیو نے کہا - میں تمہیں وہ لا دیتا ہوں کہ تو اپنی جگہ سے اُٹھے - اور میں اس کے لئے طاقتور امانت دار ہوں - اس شخص نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا - میں تجھے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لا دیتا ہوں - پھر جب اسے اپنے رو برو رکھا دیکھا - تو کہنے لگا - کہ یہ میرے رب کا ایک فضل ہے - تاکہ میری آزمائش کرے - کیا میں شکر کرتا ہوں - یا ناشکری - اور جو شخص شکر کرتا ہے اپنے ہی نفع کے لئے شکر کرتا ہے - اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بھی بے پروا عزت والا ہے -

حاصل

یہ نکلا - کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی حاجت پوری ہونے پر اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا - اور یہ قاعدہ بھی واضح فرما دیا - کہ جو شخص اللہ تعالےٰ کا شکر کرتا ہے - اس کا نفع بھی اسے ہی پہنچتا ہے - یعنی اس شکر کرنے کے باعث اللہ تعالےٰ کی رحمت اور زیادہ اس شخص کی طرف متوجہ ہو گی -

شیخ الاسلام کا حاشیہ

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں - "یعنی یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا - اللہ کا فضل ہے - کہ میرے رفیق اس درجہ کو پہنچے - جن سے ایسی کرامات ظاہر ہونے لگیں - اور چونکہ ولی کی خصوصاً صحابی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ اور اس کے اتباع کا ثمرہ ہوتا ہے - اس لئے حضرت سلیمانؑ پر بھی اس کی شکر گزاری عائد ہوئی - (تنبیہ) معلوم ہوا کہ اعجاز و کرامت فی الحقیقت خداوند قدیر کا فعل ہے - جو ولی یا نبی کے ہاتھ پر خلاف معمول ظاہر کیا جاتا ہے - پس جس کی قدرت سے سورج یا زمین کا کرہ ایک لمحہ میں ہزاروں میل کی مسافت طے کر لیتا ہے - اسے کیا مشکل ہے کہ تخت بلقیس کو پلک جھپکنے میں "مارب" سے "شام" پہنچا دے - حالانکہ تخت بلقیس کو سورج اور زمین سے ذرہ اور پہاڑ کی نسبت ہے - حضرت سلیمان (علیہ السلام) ہر ہر قدم پر حق تعالےٰ کی نعمتوں کو پہچانتے اور ہمہ وقت شکر گزاری کے لئے تیار رہتے تھے - گویا یہ "اعملوا آل داؤد شکرا" کے حکم کی تعمیل کی تھی -"

دوسری

وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ○ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْآتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ○ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ ○ فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَأَقُلْ لَكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُبِينٌ ○ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ○ سورۃ الاعراف رکوع ۲ پارہ ۸

ترجمہ - اور اے آدم تو اور تیری عورت جنت میں رہو - پھر جہاں سے چاہو - کھاؤ - اور اس درخت کے پاس نہ جاؤ - ورنہ بے انصافوں میں سے ہو جاؤ گے - پھر انہیں شیطان نے بہکایا - تاکہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں - ان کے سامنے کھول دے - اور کہا کہ تمہیں تمہارے رب نے اس درخت سے نہیں روکا - مگر اس لئے کہ کہیں تم فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ رہنے والے ہو جاؤ - اور ان کے رو برو قسم کھائی کہ البتہ میں تمہارا خیرخواہ ہوں - پھر انہیں دھوکا سے مائل کر لیا - پھر جب ان دونوں نے درخت کو چکھا - تو ان پر ان کی شرمگاہیں کھل گئیں - اور اپنے اوپر بہشت کے پتے جوڑنے لگے - اور انہیں ان کے رب نے پکارا - کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا - اور تمہیں کہہ نہ دیا تھا - کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے - ان دونوں نے کہا - اے رب ہمارے ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا - اور اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا - تو ہم ضرور تباہ ہو جائیں گے -

دونوں کا کمال

آیات مذکورۃ الصدر میں آپ پڑھ چکے ہیں - کہ اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام اور حوّا علیہا السلام کو بہشت کے ایک درخت کے کھانے سے منع فرمایا تھا - اس کے بعد شیطان کی جھوٹی قسم کھانے کے باعث دونوں حضرات نے شیطان کا مشورہ مان لیا - اور وہ درخت کھا لیا - جس کے کھانے سے اللہ تعالےٰ نے منع فرمایا تھا - اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہشتی لباس ان کے بدن سے اُتر گیا - اور دونوں حضرات ننگے ہو گئے - ایک طرف تو یہ قصہ ہوا -

کہ اللہ تعالےٰ نے دونوں کو ڈانٹا۔ کہ جب میں نے اس درخت کے کھانے سے منع فرما دیا تھا۔ پھر تم نے کیوں کھایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس تنبیہ کا نتیجہ یہ نکلا۔ اور یہ چیز دونوں کا کمال ہے۔ کہ فوراً اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔ اور اللہ تعالےٰ سے اپنے جرم کی معافی مانگی۔

اقرار اور معافی کی درخواست

اقرار تو یہ ہے۔ ربنا ظلمنا انفسنا۔
ترجمہ۔ اے رب ہمارے (واقعی) ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے۔ کیونکہ ہماری اس حکم عدولی کی سزا ہمارے ہی نفسوں کو بھگتنی پڑے گی۔ اور معافی کی درخواست یہ ہے (وان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین)
ترجمہ۔ اور اگر تو ہمیں نہ بخشے گا۔ اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم ضرور تباہ ہو جائیں گے۔

عبرت

چونکہ ہر انسان انہیں دو (آدم علیہ السلام اور حوّا علیہا السلام) بزرگوں کی نسل میں سے ہے۔ لہٰذا ان حضرات کے اقرار جرم اور معافی کی درخواست سے عبرت چاہیئے۔ کہ جب کبھی اللہ تعالےٰ کے حکم کی دانستہ یا نادانستہ خلاف ورزی ہو جائے۔ تو فوراً اپنے جرم کا اقرار کرکے دربارِ الٰہی میں معافی کی درخواست پیش کر دینی چاہیئے۔ اللہم زفقنا لما تحب و ترضی۔

تیسری

(وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ
فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ
الصّٰبِرِيْنَ ○ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا
اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ
اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○
فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ
الْاٰخِرَةِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○)

سورہ آل عمران رکوع ۱۵ پارہ ۴

ترجمہ۔ اور کئی نبی ہیں۔ جن کے ساتھ ہو کر اللہ والے لڑے ہیں اور پھر اللہ کی راہ میں تکلیف پہنچنے پر نہ ہارے ہیں۔ اور نہ سست ہوئے ہیں۔ اور نہ وہ دبے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ ثابت قدم رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اور انہوں نے سوائے اس کے کچھ نہیں کہا۔ اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخشدے۔ اور جو ہمارے کام میں ہم سے زیادتی ہوئی ہے۔ اور ہمارے قدم ثابت رکھ۔ اور کافروں کی قوم پر ہمیں مدد دے۔ پھر اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب اور آخرت کا عمدہ بدلہ دیا۔ اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا کمال

مذکورۃ الصدر آیات میں اللہ تعالےٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے حضرات کا ذکر اور ان کا کمال یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ میدان جہاد میں جانے کے بعد خواہ انہیں کتنی بھی تکلیفیں پہنچیں۔ نہ[۱] تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ[۲] سست ہوئے۔ اور نہ[۳] دبے۔ اور نہ[۴] صبر کو ہاتھ سے جانے دیا۔ بلکہ زبان سے یہ کہتے رہے۔ اے[۵] ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے۔

اس خیال سے یہ کہا کہ شاید ہمارے گناہوں کے باعث یہ تکلیفیں آ رہی ہیں۔ اور ہمارے قدموں کو دشمن کے مقابلہ میں مضبوط رکھ۔ اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر

نتیجہ

ان حضرات کے مذکورۃ الصدر پاکیزہ خیالات کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کی دنیا اور آخرت دونوں سنوار دیں۔ اور دربارِ الٰہی سے انہیں "محسنین" کے تمغہ سے سرافراز کیا گیا۔

دُعا

اللہ تعالےٰ مجھے اور میرے تمام مسلمان بھائیوں کو اس دوسری جماعت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین

مجلسِ ذکر منعقدہ جمعرات ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۹۵۸ء

آج ذکر کے بعد مخدومنا و مرشدنا حضرت مولانا احمد علی صاحب مدظلہٗ العالی نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی

ذِکر کے فوائد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بعد۔ اس اجتماع کا ایک مقصد یہ ہے کہ ہم اکٹھے بیٹھ کر اللہ کا ذکر کریں۔ اکٹھے مل کر ذکر کرنے کے فوائد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں بیان فرمائے ہیں۔ جس کا حاصل مطلب یہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اللہ تعالےٰ کے فرشتوں کی ایک جماعت ہے۔ جو راستوں میں اُن لوگوں کی تلاش کرتی رہتی ہے۔ جو ذکرِ الٰہی کرتے ہیں۔ پس جب وہ کسی جگہ ذکرِ الٰہی کرنے والے لوگوں کو پا لیتے ہیں تو اپنے ساتھیوں سے پکار کر کہتے ہیں۔ آؤ اپنے مقصد کی طرف آؤ۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پس وہ فرشتے اپنے پروں سے ذکرِ الٰہی کرنے والوں کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ اور آسمان دُنیا تک پھیل جاتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُن کا پروردگار اُن سے پوچھتا ہے۔ حالانکہ وہ اُن سے زیادہ اپنے بندوں کے حال سے واقف ہوتا ہے کہ میرے بندے کیا کہہ رہے تھے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ تیری تسبیح بیان کر رہے تھے۔ تیری عظمت و بزرگی کا ذکر کر رہے تھے۔ تیری تعریف کر رہے تھے۔ اور عظمت کے ساتھ تجھ کو یاد کر رہے تھے۔ پھر اللہ تعالےٰ فرشتوں سے پوچھتا ہے کیا انہوں نے مجھ کو دیکھا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں۔ خُدا کی قسم انہوں نے تجھ کو نہیں دیکھا اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اگر وہ مجھ کو دیکھ لیتے تو اُن کا کیا حال ہوتا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ تجھ کو دیکھ لیتے تو تیری بہت زیادہ عبادت کرتے اور بہت زیادہ تیری بزرگی بیان کرتے اور بہت زیادہ تیری تسبیح کرتے۔ پھر

اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ وہ مجھ سے کیا مانگتے ہیں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ تجھ سے جنّت مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کیا انہوں نے جنّت کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں۔ خدا کی قسم انہوں نے جنّت کو نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر وہ جنّت کو دیکھ لیتے تو اُن کا کیا حال ہوتا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ جنّت کو دیکھ لیتے۔ تو جنّت کی خواہش اُن میں بڑھ جاتی۔ جنّت کی طلب اُن میں زیادہ ہو جاتی۔ اور جنّت کی طرف ان کی رغبت بڑھ جاتی۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں دوزخ کی آگ سے۔ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کیا اُنھوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں۔ نہیں۔ خدا کی قسم اے پروردگار اس کو اُنھوں نے نہیں دیکھا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو اُن کا کیا حال ہوتا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو وُہ اس سے بہت زیادہ بھاگتے اور بہت زیادہ خوفزدہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَیں تم کو گواہ بناتا ہوں۔ کہ مَیں نے اُن کو بخش دیا۔ اُن فرشتوں میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے ان لوگوں میں تو ایک ایسا بھی شخص تھا جو ان میں شامل نہ تھا۔ راہ چلتا کھڑا ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ ایسے بیٹھنے والے ہیں کہ اُن کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رکھا جاتا۔ (بخاری)

غرضیکہ اس اجتماع کا یہ مقصد ہے کہ ہم آپس میں مل بیٹھیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں تاکہ ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں فرشتے جمع ہو جائیں اور حاضرین پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں روحانی امراض سے شفایاب فرما کر دُنیا سے اُٹھائے۔ انسان کے اندر کئی قسم کی رُوحانی بیماریاں ہوتی ہیں۔ جب تک معالج روحانی متنبّہ نہ کرے ان بیماریوں کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ ان امراضِ روحانی کا ذکر کتاب و سُنّت میں موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی جب تک ہادی متنبّہ نہ کرے اُن کا علم نہیں ہوتا۔ جس طرح طب کی جامع کتاب اُس وقت تک کار آمد نہیں ہو سکتی جب تک کہ کوئی طبیب حاذق مریض کے مناسب حال اُس سے نسخہ تجویز نہ کرے۔ جسمانی امراض سے شفا پانے کے لئے چار چیزوں کی ضرورت ہے ۱۔ طبیب کامل بیماری کی صحیح تشخیص کرے۔ ۲۔ طب کی کتاب سے مریض کے مناسب حال نسخہ تجویز کرے۔ ۳۔ مریض نسخہ تیار کروا کر حسبِ ہدایات استعمال کرے۔ ۴۔ طبیب کامل جن چیزوں سے پرہیز بتائے۔ اُن سے پرہیز کرے۔ بد پرہیزی سے بیمار کو شفا نہیں ہوتی۔

اسی طرح رُوحانی امراض کے لئے بھی چار درجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایسے ہی طبیب روحانی مہیّا فرمائے۔ جو کتاب و سُنّت کی روشنی میں امراضِ روحانی کا علاج اور پرہیز بتا سکیں۔

ہمارے ہاں ایک مثل مشہور ہے۔ "نیم حکیم خطرۂ جان۔ نیم مُلّا خطرۂ ایمان! اسی طرح روحانی امراض کے بعض کھوٹے معالج ہوتے ہیں۔ سینکڑوں برس پیشتر اُن کے خاندان میں کوئی کامل گزرا ہے ان کی نسبت سے یہ صاحبزادہ صاحب بھی پیر سمجھے جاتے ہیں۔ ورنہ اُن میں اپنا کوئی کمال نہیں ہوتا۔ سوائے اہلحدیث کے لاہوریوں کے ہر گھر کا ایک پیر ہوتا ہے خواہ وہ عین شیطان ہی کیوں نہ ہو۔ لاہوریوں نے تو کرنل لارنس (جو انگریزوں کا جاسوس تھا) کو پیر بنا کر کوٹھی بھی دی قالین بھی دیئے۔ اس کو بزرگ سمجھ کر مسلمانوں کی مستورات بھی تعویذ لینے کے لئے اس کے پاس آتی جاتی رہتی تھیں۔ ہماری انجمن حمایت اسلام کے صدر مولانا غلام محی الدین قصوری کا خدا بھلا کرے کہ انہوں نے اس کی نشاندہی کی کہ یہ تو انگریزوں کا جاسوس ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے اس سے کوٹھی وغیرہ سب کچھ چھین لی اور اُسے نکال دیا۔ وہ رنگ کا گورا تھا۔ عوام کے ہاں نور کے معنی یہ ہیں۔ کہ انسان رنگ کا گورا ہو۔ اسی لئے کرنل لارنس کو بزرگ سمجھا جاتا تھا۔

مَیں کہا کرتا ہوں کہ موتی ملنے ارزاں لیکن اللہ والے ملنے اس سے بھی گراں ہیں۔ لاہور اب اُجڑ گیا ہے۔ ورنہ پہلے موتی ہندوؤں کے گھروں میں بھی ہوتے تھے۔ اوّل تو مسلمان کمانا نہیں جانتا۔ اگر کما لے تو سنبھالنا نہیں جانتا۔

مَیں چالیس سال سے لاہور میں رہتا ہوں۔ اور ایسے اشخاص کو جانتا ہوں جن کو باپ کے مرنے کے بعد کوٹھی کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ نقد وراثت میں ملا۔ لیکن اُنہوں نے شراب اور بدکاری میں اُڑا دیا۔ اس کے مقابلہ میں ہندو پکوڑے بیچنا شروع کرتا تھا اور تھوڑے ہی عرصہ میں لکھ پتی بن جاتا تھا۔ کیونکہ وہ کمانا بھی جانتا تھا۔ اور سنبھالنا بھی جانتا تھا۔

مَیں عرض کر رہا تھا کہ کامل اگرچہ نایاب نہیں کمیاب ضرور ہیں۔ ان کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔ کامل کا ملنا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ مَیں سارے سندھ کو جانتا ہوں میرے مربّی حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ کے سندھ میں چار خلفاء تھے۔ اُن میں سے تین تو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اور ایک باقی ہیں اور وہ بھی بیمار رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو شفا عطا فرمائے۔ اور تا دیر سلامت رکھے۔ ان کے علاوہ سارے سندھ میں ایک بھی کامل نہیں۔ اسی طرح لاہور کی چودہ لاکھ آبادی میں ایک بھی کامل نہیں۔ خدا کی قسم کامل انسان دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں۔

میرے معزّز دوستو! اگر کھانا نہ ملے اور انسان بُھوک سے مر جائے۔ اور اگر ایمان سلامت ہے تو مرنے کے بعد قبر جنّت کا باغ بن جائے گی۔ لیکن اگر ہادی نہ ملا اور امراض روحانی سے شفا نہ ہوئی تو مرنے کے بعد قبر جہنّم کا گڑھا بن جائے گی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ کامل کی کس قدر ضرورت ہے۔ کامل وہ ہے جو اپنے بزرگوں کی صحبت میں مدت مدید رہ کر اپنی تکمیل کرا چکا ہو۔ اور کتاب و سنّت کا شدت سے پابند ہو۔

کامل سے اللہ تعالیٰ کا نام سیکھنے کے بعد اگر اکل حلال اور صدق مقال نہ ہو تو بھی انسان کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ ایک حکیم صاحب سیالکوٹ سے میرے پاس اللہ تعالیٰ کا نام سیکھنے کے لئے آئے۔ سال کے بعد اُنہوں نے

شکایت کی کہ مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا میں نے اُن سے کہا کہ بے نماز کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہ کھائیں۔ اُنہوں نے کہا میری تو بیوی نماز نہیں پڑھتی۔ دوسرے یہ کہ آپ حکیم ہیں۔ آپ کے پاس ہر طرح کا بیمار علاج کے لئے آئے گا اُن میں سے جو اللہ کے نیک بندے ہوں آپ اُن سے جو رقم وصول کریں۔ وہ اپنے لئے رکھیں اور باقی آمدنی گھر والوں کو دیدیں۔ انشاء اللہ ان پابندیوں سے اللہ تعالےٰ کے نام کی برکتوں کا ظہور ہوگا۔ اسی طرح ایک مولوی صاحب اللہ کا نام پوچھ گئے۔ انہوں نے مجھے خط لکھا کہ مجھے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ میں نے اُن سے دریافت کیا کہ کہاں کہاں سے کھاتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ طلبا کے لئے جو روٹیاں مسلمانوں کے گھروں سے آتی ہیں اسی میں سے میں بھی کھاتا ہوں۔ میں نے پھر اُن کو لکھا کہ یہ اسی کا اثر ہے۔ کہ ذکر الٰہی کا اثر آپ کے وجود میں ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ جن گھروں سے طلباء کے لئے روٹیاں آتی ہیں اُن میں سے کوئی رشوت لیتا ہوگا کسی کی بیوی بے نماز ہوگی جس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا آپ کے ہاں آتا ہے فتویٰ اور چیز ہے اور تقویٰ اور چیز ہے فتوی تو یہ ہے کہ مسلمان بے نماز کے ہاتھ کی پکی ہوئی چیز تو بجائے خود رہی بلکہ ہندو کے ہاتھ کی پکی ہوئی چیز بھی کھانی جائز ہے۔ بشرطیکہ اُس نے کوئی صریح حرام چیز اُس میں نہ ملا دی ہو۔ اور تقویٰ یہ ہے کہ اگر آپ اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو بے نماز مسلمان کے ہاتھ کی پکی ہوئی چیز سے بھی پرہیز کریں۔ اللہ ہو کے پاک نام کی برکت سے ایک درجہ ایسا بھی آتا ہے کہ اگر آپ کے سامنے چند چیزیں لاکر رکھی جائیں تو آپ یقیناً تمیز کرسکیں گے۔ ہٰذا حلالٌ و ہٰذا حرامٌ۔ اگر اللہ تعالےٰ کے پاک نام کے انوار حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بے نماز کے ہاتھ کی پکی ہوئی چیز ہرگز استعمال نہ کریں۔ اگرچہ ایسی چیز کا استعمال کرنا فتویٰ کے لحاظ سے ناجائز نہیں ہے۔ لیکن تقویٰ کے لحاظ سے تزکیہ باطن کے لئے ضرور نقصان دہ ہے۔

اولیاء کرام کے جوتوں کی خاک میں سے جو موتی ملتے ہیں اُن میں سے ایک موتی

حلال اور حرام چیز کی تمیز بھی ہے"۔

اللہ تعالےٰ کا نام سیکھا بھی جائے تو اُس سے جو سکھانے کے قابل ہو۔ میرے مربّی حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ عرض کرتا ہوں جو مجھے حضرت کے خلیفہ مولانا عبدالعزیز صاحبؒ نے سُنایا تھا۔ حضرتؒ کے ہاں ایک پیر مہمان آکر ٹھیرا۔ جب وہ رُخصت ہونے لگا تو حضرتؒ نے اس سے فرمایا۔ کہ تمہیں کسی شخص کو بیعت کرنا جائز ہی نہیں ہے۔ کیونکہ کسی کے دل میں داخل ہونا آسان ہے؟

مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی روحانیت کی توجہ سے طالب کی استعداد اور اس کی کمی بیشی کا اندازہ نہیں لگا سکتا وہ طالب کی رُوحانی تربیت کیسے کر سکتا ہے۔ طالب کی ریاضت اور شیخ کی توجّہ اور اللہ تعالےٰ کے فضل سے یہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے طالب کی ریاضت کثرتِ ذکر ہے۔ حضرت مدنیؒ بارہ ہزار روزانہ اللہ ہو۔ . . . . کی تلقین فرماتے تھے۔ بعض حضرات پندرہ ہزار روزانہ اللہ ہو کا ذکر تلقین فرماتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ کے نام کا ذکر باالالتزام کیا کیجئے۔ اور جہاں تک ممکن ہو حلال رزق کھانے کی کوشش کیا کیجئے۔ اگرچہ اس زمانہ میں حرام سے بچنا بڑا ہی مشکل ہے۔ کیونکہ عام طور پر مسلمانوں کی طبیعتوں میں بھی دیانتداری نہیں رہی اس لئے وہ حلال اور حرام کو مخلوط کرنے میں عام طور پر پرہیز نہیں کرتے۔ اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ کو امراض روحانی کا علاج کرنے کا شوق عطا فرمائے اور پرہیز کرنے کی توفیق بھی مرحمت فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ ۔

بقیہ مال صفحہ ۱۲ سے

آوارگی۔ شراب نوشی۔ قمار بازی اور سود خواری وغیرہ اور مختلف قسم کے شہوانی گناہ بھی اسی کی وجہ سے بہت کثرت سے ہوتے ہیں۔ اور پھر اس کی طبعی محبت قلوب میں اس درجے پکڑے ہوئے ہے کہ آدمی کے پاس جتنا بھی زیادہ سے زیادہ ہو جائے اس پر ہمیشہ زیادتی کا طالب اور اس کا کوشاں ہی رہتا ہے۔ چنانچہ متعدد روایات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر آدمی کے پاس دو جنگل سونے کے ہوں تو وہ تیسرے کا طالب ہوتا ہے۔ اور دنیا کا مشاہدہ اور تجربہ ہے۔ کہ کوئی شخص کسی مقدار پر بھی قناعت کرنے والا نہیں ہے۔ اِلّا ما شاء اللہ۔ اسی وجہ سے قرآن پاک اور احادیث میں کثرت سے قناعت کی ترغیبات دی گئی ہیں۔ اور اسی وجہ سے دُنیا کی حقیقت اور اس کی گندگی اور ناپائیداری واضح کی گئی کہ اس سے محبت میں کمی ہو۔ کہ جو چیز بہرحال بہت جلد زائل ہونے والی ہے اس سے آدمی کیا دل لگائے۔ دل لگانے کی چیز صرف وہی ہے جو ہمیشہ رہنے والی اور صدا کام آنے والی ہو۔ اور اسی وجہ سے صبر کی تاکید اور ترغیب کثرت سے وارد ہوئی۔ کہ آدمی اس کی کمی کو مطلقاً مصیبت نہ سمجھے بلکہ اس میں بھی بسا اوقات اللہ کی بڑی حکمتیں مضمر ہوتی ہیں۔ چنانچہ سورہ شوریٰ رکوع ۳ میں ارشاد ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ اپنے بندوں میں رزق کی زیادتی فرمادے تو وہ زمین میں سرکشی شروع کر دیں۔ آپ دیکھ لیجئے کہ جہاں اس کی کثرت ہے وہیں حد سے زیادہ فسادات ہیں۔ اور چونکہ اس کی فراوانی مقصود نہیں اور لوگوں کے دل اس کی طرف طبعاً متوجہ ہوتے ہیں اسی وجہ سے سوال کرنے کی ممانعت اور اس کی قباحت کثرت سے ذکر کی گئی کہ آدمی مال کی محبت اور کثرت کی فکر میں بلا مجبوری بھی سوال کرنے لگتا ہے۔ کہ اس میں محنت تو کچھ کرنی نہیں پڑتی ذرا سی زبان ہلانے سے کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے۔ جس سے مال میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

مال کا ہونا تریاق بھی ہے اور زہر بھی

(از جناب حاجی کمال الدین صاحب، مدارس کارپوریشن لاہور)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ مال میں نفع بھی ہے۔ اور نقصان بھی۔ یہ تریاق بھی ہے زہر بھی۔ اور ہر اُمّت کے لئے ایک فتنہ ہوتا ہے میری اُمّت کا فتنہ مال ہے۔ اس لئے اس فتنہ سے اور اس کے زہر سے اپنے کو محفوظ رکھنا بڑی اہم چیز ہے۔ یہ سانپ کسی کے پاس ہو تو اس سے تریاق بنا لیا جائے تو اپنے لئے بھی مفید ہے اور دوسروں کو بھی فائدہ ہے۔ ورنہ اس کا زہر اپنے کو بھی ہلاک کرے گا۔ اور دوسروں کو بھی نقصان پہنچائے گا۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ مال سرسبز شاداب اور میٹھی چیز ہے۔ اگر اس کو حق کے موافق (یعنی شرعی ضابطہ اور طریقہ کے موافق) حاصل کرے۔ اور حق کے موافق خرچ کرے تو کام آنے والی مددگار چیز ہے اور جو بغیر حق کے حاصل کرے وہ ایسا ہے جیساکہ آدمی کھاتا رہے۔ اور پیٹ نہ بھرے (مشکوٰۃ)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مال میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی اس کی مثال سانپ کی سی ہے کہ جو شخص اس کا منتر جانتا ہے۔ وہ سانپ کو پکڑ کر اس کے دانت نکال دیتا ہے پھر اس سے تریاق تیار کرتا ہے اور اس کو دیکھ کر کوئی ناواقف شخص اس کو پکڑ لے تو وہ سانپ اس کو کاٹ لے گا۔ اور وہ ہلاک ہوگا۔ اس کے زہر سے وہ شخص محفوظ رہ سکتا ہے جو پانچ چیزوں کا اہتمام کرے۔

(۱) یہ غور کرے کہ مال کا مقصد کیا ہے۔ کس غرض سے یہ پیدا کیا گیا تاکہ صرف وہی غرض اس سے وابستہ رکھی جائے۔

(۲) مال کے آنے اور حاصل کرنے کے طریق کی سختی سے نگرانی کرے۔ اس میں ناجائز طریقہ شامل نہ ہوجائے مثلاً ایسا ہدیہ جس میں رشوت کا شائبہ ہو۔ یا ایسا سوال جس میں ذلّت کا اندیشہ ہو۔

(۳) حاجت کی مقدار سے زیادہ اپنے پاس نہ رہنے دے۔ جتنی مقدار کی واقعی ضرورت ہے وہ تو مجبوری ہے۔ اس سے زیادہ کو فوراً خرچ کر دے۔

(۴) خرچ کے طریق کی نگرانی کرے بے محل خرچ نہ ہو جائے۔ ناجائز موقع پر خرچ نہ ہو جائے۔

(۵) مال کی آمد میں اور خرچ میں اور بقدر ضرورت روکنے میں نیت خالص رہے۔ محض اللہ کی رضا مقصود ہو۔ جو رکھے یا استعمال میں لائے وہ محض اس نیّت سے کہ اس سے اللہ کی اطاعت میں قوت ہو اور جو ضرورت سے زائد ہو اس کو لغو اور بیکار سمجھ کر جلد خرچ کردے اس کو ذلیل سمجھ کر خرچ کرے وقیع نہ سمجھے۔ ان شرائط کے ساتھ مال کا ہونا مضر نہیں ہے۔

اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص ساری دُنیا کا مال محض اللہ تعالےٰ کے واسطے لیتا ہے۔ (اپنی غرض سے نہیں) تو وہ زاہد ہے اور اگر بالکل ذرا سا بھی نہیں لیتا اور یہ نہ لینا اللہ کے واسطے نہیں ہے (بلکہ کسی دنیوی غرض حبّ جاہ وغیرہ کی وجہ سے ہے) وہ دُنیا دار ہے۔ (احیاء)

ایک حدیث میں ہے کہ یہ مال سرسبز اور میٹھی چیز ہے۔ جو اس کو حق کے موافق حاصل کرتا ہے۔ اس کے لئے اس میں برکت دی جاتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ دُنیا کیا ہی اچھا گھر ہے۔ اُس شخص کے لئے جو اس کو آخرت کا توشہ بنائے۔ اور حق تعالےٰ شانہٗ کو (اس کے ذریعہ) راضی کر لے۔ اور کتنا بُرا ہے۔ اُس شخص کے لئے جس کو آخرت سے روک دے۔ اور اللہ تعالےٰ کی رضا میں کوتاہی پیدا کر دے (کنز)

بہت سی روایات میں یہ مضمون وارد ہُوا ہے۔ کہ مال فی حد ذاتہ بُری چیز نہیں ہے۔ اچھی چیز ہے۔ کارآمد ہے۔ اور بہت سے دینی اور دنیوی فوائد اس کے ساتھ وابستہ ہیں اسی لئے روزی کے کمانے کی۔ مال کے حاصل کرنے کی ترغیبات بھی احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ لیکن چونکہ اس میں ایک زہریلا اور سمی مادہ ہے۔ اور قلوب عام طور سے بیمار ہیں۔ اس لئے کثرت سے قرآن پاک کی آیات اور احادیث شریفہ میں اس کی زیادتی اور کثرت سے بچنے کی ترغیبیں آئی ہیں۔ اس کی کثرت کو خاص طور سے غیر پسندیدہ بلکہ مہلک بتایا گیا ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جل شانہٗ جس بندے سے محبت فرماتے ہیں۔ دُنیا سے اس کی ایسی حفاظت فرماتے ہیں اور اس کو اہتمام سے بچاتے ہیں۔ جیسا کہ تم لوگ اپنے بیمار کو پانی سے بچاتے ہو۔ (مشکوٰۃ) حالانکہ پانی کیسی اہم اور ضروری چیز ہے۔ کہ زندگی کا دار و مدار ہی اس پر ہے بغیر اس کے زندگی رہ نہیں سکتی۔ لیکن اس سب کے باوجود اگر حکیم کسی بیمار کے لئے پانی کو مضر بتادے تو کتنی کتنی ترکیبیں اس کو پانی سے روکنے کی کی جاتی ہیں۔ یہ کیوں۔ اس لئے کہ مال کی کثرت سے عموماً نقصانات زیادہ پہنچتے ہیں۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہمارے قلوب ایسے صاف نہیں ہیں کہ وہ اس کے نشہ سے متاثر نہ ہوں۔ اسی وجہ سے حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو پانی پر چلے اور اس کے پاؤں پانی میں تر نہ ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ایسا تو کوئی بھی نہیں۔ فرمایا۔ بس یہی حال دُنیادار کا ہے کہ اس کا گناہوں سے بچنا مشکل ہے (مشکوٰۃ)

اور مشاہدہ بھی ہے کہ بخل۔ حسد۔ کبر۔ عجب۔ کینہ۔ ریا اور تفاخر وغیرہ قلبی امراض اور گناہ جتنے بھی ہیں وہ مال کی وجہ سے بہت جلد اور بہت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح

باقی صفحہ ۱۷ پر

حلقۂ احباب

(از جناب ماسٹر لال دین صاحب اخگر بی اے۔ بی ٹی)

قسط نمبر۲

منظر:۔ آج جاوید کی غیر حاضری کی وجہ سے حلقۂ احباب میں پہلی سی رونق نہیں ہے۔ ایک دو دوست وقتاً فوقتاً ان کا ذکر کرتے ہیں۔ اور پھر عام گفتگو شروع ہو جاتی ہے۔ چند منٹوں کے بعد سعید نے تمام حاضرین کی توجہ اپنی طرف مبذول کر ہی لی۔

سعید۔ مولوی صاحب! کل آپ "ضرورتِ مذہب" پر کچھ بول رہے تھے۔ لیکن مَیں نے تو ارادۃً آپ کی باتوں پر کان نہیں دھرا۔ کیونکہ میرے نزدیک یہ ایک نہایت بے لطف بحث تھی۔ اور اگر سچ پوچھو۔ تو مجھے تو مذہب کے نام سے چنداں نفرت بھی ہے۔ مذہب تو قید و بند کا دوسرا نام ہے۔

عبدالرشید۔ استغفر اللہ!

سعید! آپ تو ہماری ہر بات پر لاحول ولاقوۃ یا استغفر اللہ پکار اُٹھتے ہیں۔ اس میں کیا جھوٹ ہے۔ کہ ہر مذہب چند حدود اور قیود کا نام ہے۔ جن کی پابندی انسان کے فطری رجحانات کے خلاف ہے۔

عبدالرشید۔ سعید! مجھے آپ کی جوانی پر رحم آتا ہے۔ اور آپ کی کم علمی پر ہنسی بھی آتی ہے۔ آپ کو اور مذاہب سے کیا تعلق ہے۔ اسلام تو عین **فطرتِ سلیمہ** کا ترجمان ہے۔ اور شارعِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی منشائے الٰہی اور خوشنودیِ پروردگار کا عملی مظہر ہے۔

اختر۔ مولوی صاحب! آپ بعض باتیں کچھ ایسے عالمانہ انداز و اسلوب میں بیان کر جاتے ہیں۔ کہ ہم ان کو کماحقہٗ نہیں سمجھ سکتے۔

عبدالرشید۔ میرا مقصد یہ ہے۔ کہ مذہب اسلام کا ہر آئین راہ ہدایت کے متلاشیوں کے لئے نہایت آسان ہے۔ اور پیغمبر خدا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کا ہر گوشہ بلا تردّد و تامّل قابلِ عمل ہے۔ کیونکہ اس مقدس ترین حیات کا ہر لمحہ محبوبیت کے سانچے میں ڈھلا ہُوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پروردگارِ عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ اے میرے محبوب۔ اے سرتاجِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تُو ارض و سما کی تمام مخلوقات سے زیادہ خلیق ہے۔ گویا تیرا ہر عملِ حیات میری پسندیدگی کا ایک بے بدل نمونہ ہے۔

سعید۔ آپ مولویانہ لفّاظی سے میرے شکوک و شبہات کو ہرگز دُور نہیں کر سکتے۔

سُن لیجئے۔ اسلام ہو یا عیسائیت ہندو ازم ہو یا یہودیت۔ یہ سب کچھ طبعی جذبات کو کچلنے کے ذرائع ہیں۔ مثلاً مَیں سُنتا ہوں۔ کہ علماء آج کل سنیما کو بھی نہایت بُری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ انسانی طبیعت کا تقاضا ہے کہ وہ ایسی چیزوں کو بہت پسند کرتی ہے۔

عبدالرشید۔ اچھا۔ اچھا۔ آپ کی مذاہب سے بیزاری اور اسلام جیسے مذہب سے نفرت کے اظہار کا سبب فقط آپ کی سنیما دوستی ہے۔ خیر آپ کے نزدیک وہ مذہب قابلِ قبول نہیں۔ جو آپ کو سنیما سے باز رکھے۔ بھلا آپ کچھ دلائل پیش کریں۔ جن کے پیشِ نظر آپ سنیما کے شیدائی بنے ہُوئے ہیں۔

سعید۔ عیاں راچہ بیاں۔ سنیما دورِ حاضرہ کی ایک ایسی صنعت ہے کہ جس کے ذریعے سے انسانی جذبات کو عملی طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ اور اس کے ہر شو میں دیکھنے والوں کے لئے بے شمار اسباق ہیں۔

اختر! (ہاتھ سے اشارہ کر کے) مولوی صاحب ٹھہریے! کیا آپ سنیما کے افادی پہلوؤں سے کلیۃً آنکھیں بند کر کے اس کے خلاف کوئی فتویٰ لگانا چاہتے ہیں۔ ہماری تو یہ رائے ہے کہ جس نے سنیما نہیں دیکھا۔ وہ ابھی پیدا ہی نہیں ہُوا۔

عبدالرشید (نہایت متانت سے) میرا دل چاہتا ہے۔ کہ آپ لوگ میرے بولنے سے پہلے پہلے اپنے دل کی خوب بھڑاس نکال لیں۔ تاکہ مَیں آپ کے خیالات کی ہر طرح سے تردید کر سکوں۔

سعید:۔ بھلا آپ رقص و سرود کو انسانی فطرت کے تقاضوں کے خلاف سمجھتے ہیں۔ حالانکہ دُنیا کا ہر ذی حیات اپنی مسرتِ طبعی کا اظہار کسی نہ کسی طریقے سے ضرور کرتا ہے۔ اگر آپ مُرغانِ خوش نوا کو چہک سے۔ پھولوں کو مہک سے۔ ستاروں کو چمکنے سے۔ آبشاروں کو گرنے سے۔ نسیم سحری کو خرام ناز سے۔ صبح بہار کو تبسم جانفزا سے۔ طیور کو پرواز سے اور مچھلیوں کو شناوری سے قانوناً باز رکھ سکتے ہیں تو ہم سمجھ لینگے۔ کہ انسان بھی رقص سرود سے محروم رہ کر زندگی بسر کرسکتا ہے۔ مولوی صاحب! ہمیں ان چیزوں کی دعوت دیجئے۔ جن کو عقل بھی تسلیم کرتی ہو۔

حمید۔ خیر آپ نے تو آج فلسفیانہ دلائل کی انتہا کر دی ہے۔ اب امید ہے کہ مولوی صاحب اس ضمن میں کچھ بھی نہیں بولینگے (مسکراہٹ)

عبدالرشید۔ (نہایت خندہ پیشانی سے) برادرِ محترم! آپ نے دلائل سے خوب رنگ جمایا ہے۔ اور حاضرین کو اپنے ادیبانہ انداز سے مسحور کر لیا ہے۔ آخر آپ ایکٹروں کے مکالمات سُنتے رہتے ہیں۔ مگر مجھے اتنا کہنے کا ضرور

حق ہے۔ کہ آپ نے اپنی گفتگو کا انحصار جوش پر رکھا ہے۔ ہوش سے قدرے تھوڑا ہی کام لیا ہے۔ سنئے آپ نے خواہشات کو فطرتِ صحیحہ سے تعبیر کیا ہے۔ افسوس ہے کہ آپ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود (Better Self) اور (Evil Self) کی بحث بالکل فراموش کر گئے ہیں۔ یاد رہے۔ انسانی دل و دماغ خیر و شر کی رزمگاہ ہے۔ ہر لمحہ خیالاتِ فاسدہ اور جذباتِ بہیمیہ مختلف راہوں سے سرمایۂ خیر پر حملہ آور ہوتے رہتے ہیں۔ مگر نیکی کا نگرانِ اعلیٰ ہر وقت انسان کو ان حملوں سے باخبر رکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ بہیمی قوتیں انسان کو ہمیشہ خواہشاتِ رذیلہ کی تکمیل پر ابھارتی ہیں۔ مگر قوتِ خیر یعنی قوتِ ملکیہ ہر برائی کے نتائج عواقب پر روشنی ڈالتی ہے۔ اور اس ظلوماً جہولا کو ہر فعلِ بد کے ارتکاب سے باز رکھنے کی سعی کرتی ہے۔ پروردگار نے جہاں انسان کو سمیع و بصیر بنایا ہے۔ وہاں روحانی طور پر فالھمھا فجورھا و تقوٰھا کی نعمت سے بھی سرفراز فرمایا ہے۔ بالفاظِ دیگر اللہ تعالےٰ نے ہم انسانوں کو نیکی و بدی کی تمیز عطا فرما رکھی ہے۔ اور یہ نعمت اس قدر عام ہے۔ کہ اس سے فرعون۔ شداد۔ نمرود اور ابوجہل جیسی نابکار روحوں کو بھی محروم پیدا نہیں کیا گیا۔ ورنہ انبیاء کرام کو ان کی ہدایت پر مامور فرمانا (نعوذ باللہ) فعلِ عبث ہوتا۔

میرے عزیز دوست! قوتِ خیر (نفسِ لوّامہ) عبادت خدا تعالےٰ۔ حُبِّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جذبۂ خدمتِ خلق۔ ہمدردی۔ رفق و محبت۔ بذل و ایثار۔ عفو و کرم۔ حیا و پاک دامنی اور اعتدال پسندی کے جذبات کی محرک بنتی ہے۔ مگر قوتِ شر (نفسِ امارہ) عبادت سے نفور۔ طاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت۔ خلق آزاری دجل و فریب۔ ظلم و جور۔ فضول خرچی انتقام۔ فحاشی کا ارتکاب اور ہر معاملے میں حد سے تجاوز کرنے پر آمادہ کرتی رہتی ہے۔ اگر کوئی شخص اوّل الذکر صفات کو مؤخر الذکر سیئات سے علیحدہ کرنے کی قوت کھو بیٹھے تو اس کا معاملہ ہماری آج کی بحث سے خارج ہے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ ایک دانا بینا انسان خواہشاتِ بد کو فطرتِ سلیمہ کا تقاضہ سمجھے۔ اور سینما جیسی لغو۔ مخربِ اخلاق اور حیا سوز صنعت کو فطرتی تقاضوں کی درسگاہ سے تعبیر کرے۔ ہائے ہائے تہذیبِ مغرب نے ہمارے نیک جذبات کو اس قدر ماؤف کر دیا ہے۔ کہ ہم حق و باطل میں امتیاز کرنے سے بھی قاصر ہیں۔

سعید۔ کیا سینما میں انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر عملی طور روشنی نہیں ڈالی جاتی؟ کیا سینما میں عبرتناک واقعات دیکھنے میں نہیں آتے؟ اگر یہ چیز لغو ہے۔ تو دنیا کے تعلیم یافتہ ممالک اس صنعت کو اپنانے میں کیوں پیش پیش ہیں۔ آخر آپ کو کونسی ایسی چیز نظر آتی ہے۔ جس کی وجہ سے آپ انسان کی پیدائشی آزادی کو کچلنے کے درپے ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ آپ نے بھی اسلام کا پوری طرح مطالعہ نہیں کیا۔ اور وہ لوگ جو سینما کے خلاف رائے رکھتے ہیں۔ یا تو وہ آپ کی طرح سخت قسم کے مسلمان ہیں یا ان کو بھی ان کا سطحی علم مذہب کے نام پر یونہی بے چین رکھتا ہے۔

عبدالرشید۔ زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ ہم فحاشی کا پتہ لگانے کے لئے پہلے فحاشی میں انہماک حاصل کریں۔ شراب کی حرمت کا یقین شراب نوشی سے کریں۔ جوا اور باقی تباہ کن عادات کو اپنانے کے بعد ان کے متعلق نظریہ قائم کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی کا جو پہلو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے ٹکرائے۔ مردود سمجھا جائے گا۔ اگرچہ اس کا تجویز کنندہ افلاطونِ زماں ہو۔ یا درویش گلیم پوش! کیونکہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ملکوتی زندگیوں کا سرچشمہ ہے۔ صدق وصفا اس چشمے پر آئے۔ اور سیراب ہو کر گئے۔ عدل و انصاف کا قیام اسی چشمے کے وجود پر ہے۔ دنیا کی صداقتوں نے اس چشمے سے زندگی حاصل کی۔ اولیاء و اصفیاء اس زندگی سے اکتسابِ فیض کرتے رہے۔ اور کرتے رہیں گے۔ یہ وہ زندگی ہے کہ زندگی کے ہر شعبے کے لئے تا قیامِ قیامت ہادی ہے۔ آئیے ہم آج کی فرصت میں سینما کا اسلامی عینک پہن کر جائزہ لیں۔ (اب عبدالرشید پورے جوش سے بول رہے ہیں۔ اور آپ کے ساتھی مسحور ہو کر آپ کی باتیں سن رہے ہیں)

دنیا میں تعلیم و تربیت کے لئے ہزاروں طرح کے مختلف شعبے ہیں۔ تمام اصنافِ علم اور تمام اقسامِ صنعت و حرفت کے لئے مختلف ادارے قائم ہیں۔ اور ان میں ان فنون کے ماہرین کو رکھا جاتا ہے۔ تاکہ آئندہ نسلوں میں ایسے علوم و فنون کے شائقین کو اعلیٰ طریق پر تربیت دی جا سکے۔ بعینہٖ ابلیسی نظام کو دنیا میں مروج کرنے کے لئے اور معاشرے کو غیر اسلامی بنانے کے لئے موجودہ تعلیم کا بڑا ہاتھ ہے۔ اور سینما گھر (تہذیبِ حاضرہ کا کعبہ) ایک ایسی ابلیسی تربیت گاہ ہے جہاں جنسی جذبات کو انگیخت دی جاتی ہے اور ان کی پرورش کے لئے مناسب ماحول پیدا کیا جاتا ہے۔ نوخیز لڑکیوں کی داستانِ محبت کو رومانی کیفیتوں سے آشنا کرنے کے لئے کسی اوباش۔ بدفطرت۔ قوم دشمن۔ حیا باختہ نوجوان کے دامِ حرص و ہوا میں پھنسایا جاتا ہے۔ دونوں کے جنسی جذبات کو اظہار کا اس طرح اور ان الفاظ میں موقعہ دیا جاتا ہے۔ کہ وہی الفاظ سامعین اور ناظرین کی زبان پر ہفتوں تک جاری و ساری رہتے ہیں۔ نگاہوں کے ملاپ۔ سینوں کا ابھار۔ حُسن

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

رُوحِ انسانی کیا چیز ہے؟

(از جناب ایم عبدالرحمٰن صاحب (لودھیانوی) بی اے۔ بی ٹی پرنسپل عثمانیہ کالج شیخوپورہ)

مذکورہ سوال مدینہ کے یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزمانے کی خاطر کیا تھا۔ اور مکہ معظمہ میں بھی قریش نے یہود کے مشورہ سے یہی سوال کیا تھا رُوح کی ماہیت و حقیقت کیا ہے؟ رُوح کیا ہے؟ جوہر ہے یا عرض؟ مادی ہے یا مجرد؟ بسیط ہے یا مرکب؟

حالانکہ اس قسم کے غامض اور بے ضرورت مسائل کے سمجھنے پر نہ نجات موقوف ہے نہ یہ بحثیں انبیاء کے فرائضِ تبلیغ سے تعلق رکھتی ہیں۔ بڑے بڑے حکماء اور فلاسفر آج تک خود مادہ کی حقیقت پر مطلع نہ ہوسکے۔ رُوح جو بہر حال مادہ سے کہیں زیادہ لطیف و خفی ہے اُس کی اصل ماہیت و کنہ تک پہنچنے کی پھر کیا اُمید کی جاسکتی ہے۔

موضح القرآن میں ہے کہ یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزمانے کو یہ سوال پوچھا تھا۔ سو اللہ نے کھول کر نہ بتایا کیونکہ اُن کو سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا۔ پھر پیغمبروں نے بھی مخلوق سے ایسی باریک باتیں نہیں کیں۔ اتنا جاننا کافی ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آپڑی وہ جی اُٹھا جب نکل گئی مرگیا۔

رُوح کے متعلق عہد قدیم سے جو سلسلہ تحقیقات کا جاری ہے وہ آج تک ختم نہیں ہوا۔ اور شاید ختم بھی نہ ہوسکے۔ رُوح کی اصلی کنہ و حقیقت تک پہنچنے کا دعوٰے تو بہت ہی مشکل ہے۔ کیونکہ ابھی تک کتنی ہی محسوسات ہیں۔ جن کی کُنہ اور حقیقت معلوم کرنے سے ہم عاجز رہے ہیں۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ خون کی لطیف بھاپ کا نام رُوح ہے۔ جس کے زور سے ہر جاندار کی کل چل رہی ہے۔ جب یہ بھاپ نہیں ہوتی تو سب کام بگڑ جاتے ہیں۔ پھر مرنے کے بعد کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ بعد الموت نہ عذاب ہے نہ ثواب' یہ خیال دہریوں کا ہے۔ اطبا کا بیشتر گروہ بھی اسی خیال کی طرف مائل ہے۔ رُوح کو لطیف بھاپ کہنا اپنی جگہ پر کسی حد تک صحیح ہوگا۔ مگر یہ رُوح طبعی ہے۔ جس کی تین قسمیں ہیں (۱) طبعی (۲) حیوانی (۳) نفسانی۔ رُوح طبعی ضرور فنا پذیر ہے۔ مرنے کے بعد کوئی حصّہ باقی نہیں رہتا۔ لیکن اس رُوح کے علاوہ بھی ایک اور رُوح ہے۔ جو مرنے کے بعد ایک نورانی پیکر میں باقی رہتی ہے۔ جس کو پہلی باتیں سب یاد رہتی ہیں۔ جو رنج و راحت بھی پاتی ہے۔ جس پر عذاب ثواب بھی ہوتا ہے۔ گزشتہ حکمائے یونان کا بھی یہی خیال تھا اور دورِ حاضر کے بعض فلاسفر بھی اس کے قائل ہونے لگے ہیں۔ مادی عالم کے علاوہ ایک رُوحانی عالم کا ہونا بھی انہوں نے تسلیم کر لیا ہے۔

ہندوؤں کا ایک گروہ اس رُوح کو قدیم اور غیر فانی مانتا ہے افلاطون کے پیرو اور عام آریہ تناسخ کے قائل ہیں۔ اواگون اُن کے نزدیک مسئلہ حق ہے۔ رُوح ایک بدن کو چھوڑ کر جزا و سزا حاصل کرنے کے لئے دوسرے مادی جسم میں اسی عالم میں رہتی ہے۔ اور میدانِ عنصری میں چکّر لگاتی پھرتی ہے۔ یہ دورہ اس وقت تک رہے گا جب تک رُوح میں مکمل صفائی نہ ہو جائے۔ جب مادی کثافت بالکل نہ رہے گی اُس وقت یہ رُوح قربِ الٰہی میں پہنچ جائے گی۔

شریعت اسلامیہ تناسخ کی قائل نہیں۔ دوبارہ مادی پیکر میں آنے کو غلط قرار دیتی ہے۔ جزا وسزا کا ایک خاص دن اس کے نزدیک مقرر ہے۔ ہاں برزخی جسم اچھا یا بُرا ہر رُوح کو ملتا ہے جو مادی عُنصری نہیں ہوتا بلکہ تمثالی ہوتا ہے پھر قیامت کے دن ضرور مادی جسم ملے گا۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (پ۱۵ ع)

ترجمہ۔ اور یہ لوگ آپ سے رُوح کے متعلق پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ رُوح میرے رب کے حکم سے بنی ہے۔ اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسی رُوح کے متعلق سوال تھا۔ جس سے انسان زندہ ہے۔ کیونکہ جب مطلق رُوح بولتے ہیں یہی مفہوم ہوتی ہے۔ اور جواب سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے۔ کہ نصوص میں اُس کی حقیقت ظاہر نہ کرنے کی وجہ بتلائی ہے اور ضروری عقیدہ اُس کے حدوث کا ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اب یہ امر کہ کسی دوسرے طریقہ سے اس کا انکشاف ہوسکتا ہے یا ہوتا ہے۔ آیت اس کے اثبات یا نفی دونوں سے ساکت ہے۔ پس دونوں امر محتمل ہیں۔ اور کوئی رشق نص کے معارض نہیں اور یہاں جو علم کو قلیل فرمایا تو بہ نسبت علم الٰہی کے اور دُوسری آیت میں جو عِلم کو خیرِ کثیر فرمایا تو بہ نسبت متاعِ دُنیا کے۔ پس دونوں میں تصادم نہیں۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قلت صفت علم کی ہے۔ اور کثرت صفت خیر کی اور علم اگرچہ قلیل ہو وہ بھی خیر کثیر ہے۔ اس صورت میں تصادم کا شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔

اور یہ لوگ آپ سے امتحاناً رُوح کی حقیقت کو پوچھتے ہیں۔ آپ جواب میں فرما دیجئے کہ رُوح کے متعلق بس اتنا اجمالاً جان لو کہ وہ ایک چیز ہے جو میرے رب کے حکم سے بنی ہے۔ اور باقی اس کی مفصّل حقیقت کی بابت تم کو بہت تھوڑا علم بقدر تمہاری فہم کے اور وہ بھی صرف ضروریات کا دیا گیا ہے۔ اور چونکہ اس کا علم ضروریات سے نہیں ہے اور نہ تمہارے فہم میں آسکتا ہے۔ اس لئے مخفی رکھا گیا ہے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ آپ سے رُوح کے بارہ میں سوال

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ

خُدا کی یاد

(از جناب حکیم حافظ محمد یوسف رشید چغتائی ایڈیٹر الشفاء کھروڑ پکا مغربی پاکستان)

عزیزو بُرائی کا لطف ابتدا میں آتا ہے اور بھلائی کا انتہا میں انسان چونکہ جلد باز ہے اس لئے وہ ایسے کام کی طرف راغب ہوتا ہے ۔ جس سے لذّت جلد حاصل ہو۔ جلد بازی سے نتیجہ پریشان کن ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ جو حاکمِ مطلق ہے۔ مخلوق کو اطمینانِ قلب کا نسخہ بتاتے ہیں اور ہم ہیں بد نصیب کہ اس اکسیر کے استعمال سے پرہیز کرتے ہیں۔ فرمایا۔ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ۔ سُن رکھو خُدا کی یاد سے دلوں کو تسلّی ہُوا ہی کرتی ہے۔ لیکن ہم تعمیل ارشاد کے باغی ہیں۔ اس لئے ذکرِ الٰہی کی لذّت سے نا آشنا ہیں۔ کوئی کام کیوں نہ ہو جب تک اس کی عادت نہ پڑ جائے نہ اُس کی طرف رغبت ہوتی ہے نہ اُس میں لطف آتا ہے۔ دیکھو جب کسی کو جوا کھیلنے کی عادت کسی کو نشہ پینے کی عادت پڑتی ہے۔ اور عادت کی وجہ سے اُس کو لذّت ملتی ہے۔ تو وُہ فعلِ بد کو ترک نہیں کرتا خواہ عزیز و اقارب، دوست احباب کتنی ہی ملامت نفرین کریں خواہ مذہب کیسے ہی عذابِ الیم سے ڈرائے۔ خواہ قانونِ مُلک اس کو کیسی ہی سخت سزا دے۔ غور کیجئے کہ بُرے افعال کی عادت سے بدکار کو اس قدر لذّت ملتی ہے کہ وہ طرح طرح کی اذّیتیں اُٹھا کر ایذائیں سہ کر بھی بُرائیوں سے باز نہیں آتا تو نیکیوں کی عادت سے ہم کیا کچھ لطف نہ اُٹھائیں گے۔ پس ذکرِ الٰہی میں بھی نہایت لذّت ملتی ہے۔ مگر ہم اس سے غافل ہیں۔ اور غافل کی مثال اس اندھے کی طرح ہے جس کے سامنے حسن وجمال کی تعریف کرو تو وہ کوئی لطف نہیں اٹھا سکتا۔ چونکہ ہمارے دل بھی جرائم معاصی سے زنگ آلود ہو گئے ہیں۔ اس لئے ہم کو اس آئینہ میں محبوبِ حقیقی کا جمال نظر نہیں آتا۔ مگر یہ زنگ دُور ہی ذکرِ الٰہی سے ہو سکتا ہے۔ عزیزو۔ افسوس کہ آپ نے ذکرِ الٰہی کا لطف حاصل نہیں کیا۔ کیا آپ نہیں جانتے ملائکِ مقرب بارگاہِ الٰہی ہیں تو کس وجہ سے عارف ولی اللہ ہیں تو کس سبب سے ذکر و شغل سے۔ پھر تم کیوں غافل ہو یادِ الٰہی سے۔ اس غفلت سے باز آؤ اور ذکرِ الٰہی کی طرف مشغول ہو کر دیکھو تو کیسی لذّت حاصل ہوتی ہے۔

ایک دفعہ معرکہ جنگ میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے پاؤں مبارک میں تیر آلگا۔ لوگوں نے اس کو نکالنا چاہا لیکن تکلیف ہونے لگی۔ فرمایا ٹھہر جاؤ۔ آپ نماز میں مشغول ہو گئے۔ اس طرح نماز میں تیر نکالا گیا۔ تو پھر حضرت کو کوئی تکلیف نہ ہوئی۔

دوستو۔ جب تم دُنیا کے کسی بادشاہ یا مربی کو اپنا سرپرست بنا لیتے ہو تو اس کے نام سے تمہارا کس قدر کام نکل آتا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ بعض الفاظ میں جادو سے بھی زیادہ اثر ہوتا ہے۔ کیا اللہ تبارک و تعالےٰ کے اسمائے حسنیٰ میں اثر نہیں۔ اثر ضرور ہے اور بہت بڑا اثر ہے تم عبادت سے اللہ تعالےٰ کو اپنا طرفدار بنا لو۔ پھر دیکھو کہ تمہاری زبان سے الفاظ نکلے ہوئے مخلوق کے قلوب پر کیا اثر کرتے ہیں۔

دوستو۔ اللہ تبارک و تعالےٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ ارشاد ہے۔ فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ۔ یعنی تم مجھے یاد کرو مَیں تمہیں یاد کروں گا۔ ذاکر بندوں کی کیسی خوش قسمتی ہے کہ وہ مولائے کریم کو یاد کرتے ہیں۔ تو مولائے کریم، اُنہیں بھی یاد کرتے ہیں۔ مَنۡ کَانَ لِلّٰهِ فَکَانَ اللّٰهُ لَهٗ جس کا رب اس کا سب۔ سارے جہان کے بادشاہوں کا بادشاہ جس کا ہو جائے پھر اُسے کیا چاہیئے۔

اللہ تبارک و تعالےٰ کی ذات بے نیاز ہے ہم کو ذکر کی ہدایت فرمائی ہے جس کا فائدہ اطمینانِ قلب اور اُخروی اجر ہے۔ (باقی باقی)

(بقیہ حلقہ احباب صفحہ ۱۴ سے آگے)

کی سج دھج۔ عشق کی جانفشانیاں اور شیطانی خیالات کی عملی دُنیا۔ خدا کی پناہ! مرد ہو یا عورت۔ جوان ہو یا بُوڑھا۔ رند بدمشرب ہو یا زاہدِ وقت۔ کس کی مجال ہے کہ اس سحرِ سامری سے مسحور نہ ہو۔ یہی وجہ ہے۔ اسلام کے ترجمان ڈاکٹر اقبال مرحوم نے سنیما کے متعلق واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا تھا۔ ؎

وہی بُت فروشی۔ وہی بُت گری ہے
سنیما ہے یا صنعتِ آذری ہے
وہ صنعت نہ تھی۔ شیوۂ کافری تھا
یہ صنعت نہیں شیوۂ ساحری ہے
وہ مذہب تھا۔ اقوامِ عہدِ کہن کا
یہ تہذیبِ حاضر کی سوداگری ہے
وہ دُنیا کی مٹی۔ یہ دوزخ کی مٹی
وہ بُت خانہ خاکی یہ خاکستری ہے

(باقی آئندہ)

یہ وبا

(از جناب عبد اللہ ناظم مجلس عروج اسلام لاہور)

آئے دن اخبارات میں قتل، چوری، ڈکیتی اور ان گنت دوسرے جرائم کی خبریں آتی رہتی ہیں۔ آپ کسی بھی روز کا اخبار اٹھا کر دیکھ لیجئے اس میں دو چار قتل کی وارداتوں کے متعلق چوری، ڈکیتی، فریب دہی کی وارداتیں اور زنا کی وارداتوں سے متعلق چند خبریں ضرور مل جائیں گی۔ تقسیم ہند سے پہلے سال دو سال میں شاذ و نادر کسی کے قتل کی خبر آجاتی تھی تو بہت اچنبھا سا ہوتا تھا۔ لیکن اب تو اس قدر عام ہے کہ روزانہ دو تین وارداتیں ہو جاتی ہیں اور یہ کوئی تعجب اور اچنبے کی بات ہی نہیں رہی ملزمین کو سزائیں بھی دی جاتی ہیں لیکن پھر بھی جرائم کی تعداد میں روزانہ اضافہ ہوتا رہتا ہے اور لطف کی بات یہ ہے۔ کہ جرائم کے بیشتر مرتکب طلبا ہوتے ہیں۔

بات در اصل یہ ہے کہ ملزمین کو تو سزائیں دی جاتی ہیں لیکن جو اصل مجرم ہیں ان سے غفلت برتی جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ جرائم روزانہ کم ہونے کی بجائے بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ آئیے ذرا اس کی اصل وجہ تو دیکھیں کہ اصل وجہ کیا ہے؟

سب سے پہلی اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں کی درس گاہیں جو بچے کی اصل اور نشو و نما کا باعث ہوتی ہیں۔ جہاں سے انسان صحیح معنوں میں انسان بن کر نکلتا ہے وہیں سے بچوں کو عملی طور پر عشق و معشوقی کی اور گویوں کی تربیت دی جاتی ہے۔ چالاکی اور فریب دہی کرنا سکھلایا جاتا ہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ میں سنی ہوئی بات کہہ رہا ہوں۔ یا غلط کہہ رہا ہوں۔ نہیں۔ بلکہ یہ تمام واقعات میرے چشم دید ہیں۔ جو خود میں نے دوران تعلیم میں دیکھے۔ اور اسی بنا پر تعلیم کو الوداع کہنا پڑا۔ تعلیم اگر صحیح طریقے سے دی جائے تو کوئی سی تعلیم بھی غلط نہیں۔ تعلیم معلم کی وجہ سے غلط ہو جاتی ہے۔ اس تعلیم کے برے اثرات اب تک میرے دل پر باقی ہیں۔

دوسری وجہ ہمارے مدارس کا نصاب تعلیم ہے۔ جو از حد ناقص اور ردی ہے سکولوں میں طلباء کو دین سے نفرت اور بیزاری سکھلائی جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ ہم چوری، ڈکیتی کی شکل میں بھگت رہے ہیں۔ ابھی تو اور انتظار کیجئے اور

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

کالج میں تو خدا کے فضل و کرم سے مخلوط تعلیم ہے ہی۔ جس کے نتائج ظاہر ہیں کہ ہر لڑکا اور لڑکی جو تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتی ہیں کسی نہ کسی کے دام عشق میں پھنسی ہوتی ہیں اور وہاں سے اسی کی ڈگری لے کر نکلتی ہیں۔ اس سلسلے میں عدالتیں جہاں ملزموں کو سزائیں دیتی ہیں وہاں اصل وجہ کا بھی سد باب کریں۔ اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے نصاب تعلیم اور طریقہ تعلیم کو بھی تبدیل کریں۔ ورنہ صرف ملزموں کو سزائیں دینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہمارے مدارس کے استاد بھی دیندار اور اسلام پسند طبقہ کے ہونے ضروری ہیں۔ ان سے بھی زیادہ بڑی وجہ ہمارے ہاں کا فحش اور گندہ لٹریچر ہے اور عریاں تصاویر جو جذبات کو برانگیختہ کرتی اور ابھارتی ہیں۔ جو لوگ فحش قسم کے ناول پڑھتے ہیں (جن میں اکثریت طلباء کی ہوتی ہے) وہ لوگ اس کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ ان سب کا سرغنہ "سنیما" ہے جو مذکورہ تمام چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے زنا بکثرت ہو رہے ہیں۔ وہ زرخیز علاقہ جو تمام متحدہ ہندوستان کو غلہ فراہم کرتا تھا آج وہاں خود قحط پڑ رہا ہے۔ پندرہ بیس روپے من بھی غلہ بمشکل ملتا ہے۔ یہ زنا ہی کی بدولت ہے۔ اکثر کھیل سنیما کے چوری، ڈکیتی اور فریب دہی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اسی لئے یہ تمام باتیں از حد عام ہیں۔

جرائم کی روک تھام کے لئے جہاں عدالتیں سب کچھ کر گزرتی ہیں وہاں ذرا نصاب تعلیم کو بدل کر تو دیکھا جائے اور اور سنیما، فحش لٹریچر اور عریاں تصاویر پر پابندی عائد کر کے تو دیکھا جائے، انشاء اللہ العزیز تھوڑے ہی عرصہ میں جرائم میں بہت حد تک کمی واقع ہو جائیگی ان جرائم ہی کی وجہ سے تو اللہ تعالے نے آج سے پونے چودہ سو سال پیشتر ان تمام چیزوں پر پابندی عائد کر دی تھی اور اور ان کے کرنے والے کو کفار میں شمار کیا تھا۔ فرمایا

(وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝) سورہ لقمان رکوع ۱ پارہ ۲۱

ترجمہ۔ اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بیہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) بے سمجھے خدا کے رستے سے گمراہ کرے اور اس سے استہزا کرے۔ یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔

حاشیہ شیخ الاسلام

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں۔ "سعدائے مفلحین کے مقابلہ میں یہ ان اشقیاء کا ذکر ہے جو اپنی جہالت اور ناعاقبت اندیشی سے قرآن کریم کو چھوڑ کر ناچ رنگ، کھیل تماشے، یا دوسری واہیات و خرافات میں مستغرق ہیں۔ چاہتے ہیں کہ دوسروں کو بھی انہی مشاغل و تفریحات میں لگا کر اللہ کے دین اور اس کی یاد سے برگشتہ کر دیں اور دین کی باتوں پر خوب ہنسی مذاق اڑائیں حضرت حسنؓ لہو الحدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔ کل ما شغلك عن عبادة الله و ذكره من السمر والاضاحيك والخرافات ونحوها (روح المعانی) یعنی لہو الحدیث ہر وہ چیز ہے جو اللہ کی عبادت اور یاد سے ہٹانے والی ہو۔ مثلاً فضول قصہ گوئی۔ ہنسی مذاق کی باتیں۔ واہیات مشغلے اور گانا بجانا وغیرہ۔ روایات میں ہے کہ نضر بن حارث جو رؤسائے کفار میں تھا بغرض تجارت فارس جاتا تو وہاں سے شاہان عجم کے قصص و تواریخ خرید کر لاتا اور قریش سے کہتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو عاد و ثمود کے قصے سناتے ہیں آؤ میں تم کو رستم و اسفندیار اور شاہان ایران کے قصے سناؤں بعض لوگ ان کو دلچسپ سمجھ کر ادھر متوجہ ہو جاتے۔ نیز اس نے ایک گانے والی لونڈی خرید کی تھی۔ جس کو دیکھتا کہ دل نرم ہوا اور اسلام کی طرف جھکا اس کے پاس لے جاتا اور

اور کہہ دیتا کہ اسے کھلا پلا اور گانا سنا پھر اس شخص سے کہتا کہ دیکھ یہ اس سے بہتر ہے۔ جدھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاتے ہیں کہ نماز پڑھو روزہ رکھو اور جان مارو۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

تنبیہ

شان نزول گو خاص ہو مگر عموم الفاظ کی وجہ سے حکم عام رہے گا جو لہو (شغل) دین اسلام سے پھر جانے یا پھیر دینے کا موجب ہو، حرام بلکہ کفر ہے اور جو احکام شرعیہ ضروریہ سے باز رکھے یا سبب معصیت بنے وہ معصیت ہے ہاں جو لہو کسی امر واجب کا مفوت (فوت کرنے والا) نہ ہو اور کوئی شرعی غرض و مصلحت بھی اس میں نہ ہو وہ مباح لیکن لایعنی ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہے۔ گھوڑ دوڑ یا تیر اندازی اور نشانہ بازی یا زوجین کی ملاعبت (جو حد شریعت میں ہو) چونکہ معتدبہ اغراض و مصالح شرعیہ پر مشتمل ہیں اس لئے لہو باطل سے مستثنیٰ قرار دی گئی ہیں رہا غنا و سماع کا مسئلہ اس کی تفصیل کتب فقہ وغیرہ میں دیکھنی چاہیئے۔ مزامیر و ملاہی کی حرمت پر تو صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے۔ البتہ نفس غنا کو ایک درجہ تک مباح لکھتے ہیں اس کی قیود و شروط بھی کتابوں میں دیکھ لی جائیں۔ صاحب روح المعانی نے آیت ہذا کے تحت مسئلہ غنا وسماع کی تحقیق نہایت شرح وبسط سے کی ہے۔"

یہ سیلاب جو ہر سال ہزاروں گھروں کو خانماں برباد کر دیتا ہے۔ یہ بھی ایک طرح کی وبا ہے۔ یہ در اصل ہمارے لئے تنبیہ اور خطرہ کی گھنٹی ہے۔ اور بتلایا جا رہا ہے کہ اے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم تم اپنے نبی اور رسول کے راستے کو چھوڑ کر غلط راستے پر گامزن ہو۔ اس لئے ابھی سنبھل جاؤ۔ وقت باقی ہے ابھی تمہارا کچھ نہیں گیا۔ یہ بھی ہمارے لئے ایک آزمائش اور ابتلا ہے جو ہر سال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر مسلط کر دی جاتی ہے۔ یہ وہی تو علاقہ ہے۔ جہاں کبھی سیلاب کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ قرآن کریم کی سورت سبا میں ایک ایسی قسم کا واقعہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو بہترین قسم کے باغات اور عمدہ قسم کی نعمتیں عطا فرمائیں۔ ان سے صرف اتنا مطالبہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ان نعمتوں کے بدلے میں کرتے رہو۔ لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی تو ان پر سیلاب کو مسلط کر دیا گیا۔ جس نے ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ حالانکہ انہوں نے بے حد مضبوط بند باندھے تھے۔ آج تک اس طرح کے بند کوئی نہ باندھ سکا۔ لیکن وہ بند بھی سیلاب کو روکنے میں کارآمد ثابت نہ ہوئے۔ خدا تعالیٰ ہمیں مہلت دے رہا ہے۔ کاش! کہ ہم اب بھی سنبھل جائیں۔ ورنہ وقت گذرنے کے بعد پچھتانا اور افسوس کرنا کچھ کام نہ آئے گا۔

(بقیہ روح انسانی صفحہ ۱۵ سے آگے)

کرتے ہیں وہ کیا ہے؟ چونکہ یہ بیکار سوال تھا۔ اور نیز حقائق اشیا بالخصوص روح کی حقیقت کا ادراک کماحقہ ان کے فہم و استعداد سے باہر تھا اس لئے جواب میں فرما دیا۔ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي کہ دو روح میرے رب کا ایک امر ہے اس کے حکم سے بنی ہے۔ حادث ہے، قدیم ذاتی نہیں ہے۔ نہ وہ خدا ہے نہ اس کا کوئی جزو ہے۔ بلکہ از قسم مخلوق ہے۔ جس پر اور مخلوق کی طرح خدا کو اختیار قدرت ہے۔ "مِنْ أَمْرِ رَبِّي" سے یہ سب باتیں سمجھی جاتی ہیں اس قدر علم کافی ہے جواب شافی ہو گیا باقی رہا اس کی حقیقت کا ادراک کلی، سو روح کا تو کیا ذکر اور بھی لاکھوں چیزوں کا انسان کو ادراک کلی نہیں۔ خاک اور پانی کی بھی حقیقت پوری نہیں بتلا سکتے۔ کیونکہ اے سوال کرنے والو! حقائق الاشیاء کے ادراک کا بہت ہی کم حصہ تم کو ملا ہے۔ روح کی حقیقت میں حکما کا مباحثہ چلا آتا ہے۔ اور ہر ایک قوم نے دور از کار خیالی گھوڑے دوڑائے ہیں اور اب تک بھی کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ بھلا عرب کے جاہلوں سے بجز اس قدر جواب کے اور کیا کہا جاتا۔

حضرت مولانا عثمانی رح فرماتے ہیں۔

میرے نزدیک آیات قرآنیہ سے روح کے متعلق ان چند نظریات پر صاف روشنی پڑتی ہے۔

(۱) انسان میں اس مادی جسم کے علاوہ کوئی اور چیز موجود ہے۔ جسے روح کہتے ہیں۔ وہ عالم امر کی چیز ہے اور خدا کے حکم و ارادہ سے فائض ہوتی ہے۔ (قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي" پ۱۵۔ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (آل عمران ع۶) ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ (المومنون ع۱) إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ (نحل ع۵)

(۲) روح کی صفات علم و شعور وغیرہ بتدریج کمال کو پہنچتی ہیں اور ارواح میں حصول کمال کے اعتبار سے بعید تفاوت فرق مراتب ہے۔ حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کی تربیت سے ایک روح ایسے بلند اور اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتی ہے۔ جہاں دوسری ارواح کی قطعاً رسائی نہ ہو سکے جیسے روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پہنچی۔

(۳) مگر اس کے یہ کمالات ذاتی نہیں وہاب حقیقی کے عطا کئے ہوئے ہیں۔ اور محدود ہیں۔ روح انسانی خواہ علم وقدرت وغیرہ صفات میں کتنی ہی ترقی کر جائے حتیٰ کہ اپنے تمام ہمجنسوں سے گوئے سبقت لے جائے پھر بھی اس کی صفات محدود رہتی ہیں۔ صفات باری کی طرح لامحدود نہیں ہو جاتیں۔

(۴) کتنی ہی بڑی کامل روح ہو حق تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس وقت چاہے اس سے کمال سلب کر لے۔ گو اس کے فضل رحمت سے کبھی ایسا کرنے کی نوبت نہ آئے۔ (باقی باقی)

بقیہ۔ بچوں کا صفحہ صفحہ ۱۹ سے

(۴) جمیع معاشی وسائل خداوند کریم پیدا کرتا ہے۔ وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

(۵) لالچ کرنے سے ہمیشہ محترز رہیں۔ کیونکہ لالچ بری بلا ہے۔ خود بہتر چیز ہے۔

(۶) ہمیشہ اپنے نصیب پر راضی رہیں۔ کیونکہ النَّصِیبُ یُصِیبُ کان تحت الجبلین

ترجمہ۔ نصیب مل کر رہے گا خواہ دو پہاڑوں کے نیچے ہو۔

(۷) محنت مشقت کرنے کے انسان مظفر ہوتا ہے۔

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

بچوں کا صفحہ

وُہی ہوتا ہے جو منظورِ خُدا ہوتا ہے

(از جناب ماسٹر قاضی عبد الحفیظ صاحب مبارک پوری کالونی مڈل سکول رحیم یار خان)

عزیز بچّو! مَیں ہمیشہ اس مقصدِ عظیم کے لئے ساعی و کوشاں رہتا ہوں کہ کوئی ایسا ولولہ انگیز مضمون لکھوں کہ جس کو پڑھ کر آپ صحیح مسلک اختیار کرسکیں چنانچہ اس نظریہ کو مدِّ نظر رکھتے ہُوئے یہ سبق آموز مضمون لکھ رہا ہوں تاکہ آپ اسے پڑھ کر اپنے اعتقادات کو درست کرسکیں۔ اور کمینہ عادات ترک کرکے اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کرکے صراطِ مستقیم پر چل سکیں اور حقیقی معنوں میں انسان بن سکیں۔ کیونکہ ؎

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک شہر میں پہنچے۔ دیکھا کہ ایک بُڈھا ضعیف لکڑیوں کا گٹھا سر پر رکھے رکھے چلا آتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کو اس معمّر کے حالِ زار پر رحم آیا۔ اور نام دریافت فرمایا۔ اُس نے کہا میرا نام سلیمان ہے۔ حضرت سلیمانؑ کو خیال آیا کہ سبحان اللہ! ایک مَیں سلیمان ہوں کہ تمام ملک زیرِ نگین ہے۔ اور ایک یہ سلیمان کہ پیری اور بُڑھاپے میں ایسی سخت مصیبت جھیلتا ہے۔ فی البدیہہ اپنے تاج میں سے ایک لعل اس کے حوالے کیا اور کہا یہ لعل تجھے اور تیری اولاد کے لئے کافی ہے۔ مناسب ہے کہ آئندہ اس محنت کو چھوڑ کر آرام سے زندگی بسر کر۔ اور اسی لعل پر اکتفا کر۔ بڈھے نے لکڑیوں کا بار سر سے پھینک دیا اور لعل کو لے کر شاد و خرّم گھر کو چلا۔ واقعی ربِ جلیل ہی کارسازِ حقیقی ہے بڈھا بار بار لعل کو دیکھتا اور حیران ہوتا کہ اللہ تعالےٰ نے کیا ہی قدر و قیمت اس سنگریزہ کو عطا کی ہے۔ یکایک ایک چیل نے اس لعل کو گوشت سمجھ کر جھپٹا مارا۔ اور اُڑ گئی۔ بڈھا بچارا کفِ افسوس ملتا رہ گیا۔

اب یہ فکر پڑی کہ زن و فرزند کو کیا کھلاؤں گا۔ سوچنے لگا کہ اپنے گٹھے کو لاؤں اور بیچ کر پیٹ پالوں۔ وہاں جاکر دیکھا کہ شومیِ قسمت کہ گٹھا بھی کوئی اُٹھا کر لے گیا تھا۔ ناچار شرم کے مارے رات جنگل میں ہی کاٹی۔ صبحدم پھر لکڑیاں چننے لگا۔ اتنے میں حضرت سلیمانؑ کی سواری آئی۔ خیال کیا کہ یہ حریص بڈھا اب بھی اپنی معمولی مشقّت میں مصروف ہے۔ دریافت کرنے پر بڈھے نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت کو پھر رحم آیا اور دوسرا لعل عنایت کیا۔ اس دفعہ بڈھے نے نہایت احتیاط سے لعل مٹھی میں بند کرکے گھر کی راہ لی۔ راستے میں ایک ندی تھی۔ جب منجدھار میں پہنچا تو پاؤں اُکھڑ گئے۔ دو چار ایسی ڈبکیاں کھائیں، کہ ڈُوبتے بچا۔ اور لعل ہاتھ سے نکل گیا۔ اس دفعہ بھی قسمت نے یاوری نہ کی۔ بچارا بڈھا حسرت و افسوس کے ساتھ واپس گیا۔ اور لکڑیاں چننے لگا۔ اس اثنا میں پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر ہُوا۔ دیکھا تو فرمایا کہ وُہی بدقسمت بڈھا لکڑیوں کا گٹھا اُٹھائے جا رہا ہے۔ پھر اُسے بُلایا اور حال پُوچھا۔ اُس نے کیفیّتِ واقعہ عرض کی اور کہا کہ آج تیسرا دن ہے۔ خدا جانے بال بچّوں پر کیا گزری ہوگی۔ حضرت کو بہت رحم آیا۔ اور تیسرا لعل جو نہایت ہی گراں بہا تھا اُسے دے دیا۔

مثل مشہور ہے۔ "مفت کے گھوڑے کے دانت کیا پوچھنا" بُڈھے نے وہ لعل بخوشی لے لیا۔ اب کی دفعہ خوب کس کر لعل کو پگڑی میں باندھا۔ تھوڑی دیر ہوئی کہ ایک سوار نمودار ہُوا اُس نے تاڑ لیا کہ اس بڈھے کی پگڑی میں لعل چمکتا ہے۔ وہ سوار گھوڑا دوڑا کر بڈھے کے قریب آیا۔ اور پگڑی اُچک کر یہ جا وہ جا جھٹ نظروں سے غائب ہوگیا۔ بڈھا روتا پیٹتا ہُوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہُوا۔ اور کہا۔ اے پیغمبرِ خُدا! آپ نے خوب میری راہ کھوٹی کی۔ خدا نے جو کچھ میری قسمت اور نصیب میں لکھا تھا مَیں اسی پر راضی تھا۔ آپ نے چاہا کہ مجھے افلاس سے نجات ہو۔ سو یہ بات خدا تعالےٰ کو منظور نہ تھی۔ آپ کے عزم سے مَیں امیر تو نہ بنا البتہ اس کے عوض میں مجھے اور میرے بال بچّوں کو تین دن فاقہ کشی کرنی پڑی۔ حضرت نے فرمایا کہ سلیمانؑ کیا کرے جب خُدا ہی نہ چاہے۔

الغرض بڈھا بدستور لکڑیاں چن کر لاتا اور کنبے کو پالتا۔ قلیل عرصہ ہُوا کہ اتفاقاً حضرت سلیمانؑ کے لشکر کا گزر اُس لکڑہارے کی بستی میں ہُوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے آدمی بھیج کر اُسے بُلوایا اور حال دریافت کیا۔ اس نے عرض کیا کہ جب آپ کے لعل گم ہوگئے۔ اور میری آس ٹُوٹ گئی تو مَیں نے بے اختیار خداوند کریم کی بارگاہ میں گریہ و زاری شروع کی۔ کہ خدایا! تیرے نبیؑ نے بہت کوشش کی مگر تو نے نہ چاہا۔ تو کچھ بھی فائدہ نہ ہُوا۔ اب سوائے تیرے کسی کا آسرا نہیں۔ تو ہی اپنے خزانۂ غیب سے وہ کھوئے ہوئے لعل عنایت کر۔ چنانچہ اتفاقاً ایک دن حسبِ معمول لکڑیاں توڑنے کو درخت پر چڑھا۔ وہاں چیل کا گھونسلا تھا اور دیکھا تو وہی تینوں لعل رکھے ہیں۔ ان کو پاکر اب مَیں امیر کبیر بن گیا۔ جب تک سلیمان علیہ السلام پر بھروسہ تھا تو محروم رہا۔ جب خداوند کریم کی طرف سے خلوصِ دِل سے متوجہ ہُوا مالا مال ہوگیا۔ سچ ہے

قفلِ درِ مراد سب یکبار کُھل گئے
چھوڑا جو آرزو نے بھروسہ کلید کا

عزیز بچّو۔ آپ اس مضمون سے مختلف پند و نصائح حاصل کرسکتے ہیں نیچے ملاحظہ ہوں۔

(۱) خدا تعالےٰ کارساز حقیقی بھی ہے اور رزاق حقیقی بھی ہے۔

(۲) رحیم و کریم بھی ہے اور جبّار و قہار بھی ہے۔ نافع بھی وہی ہے۔ ضار بھی وہی ہے۔

(۳) محض اللہ تعالےٰ پر توکّل اور بھروسہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ غیروں کا سہارا سود مند نہیں ہوتا۔

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

ایڈیٹر ـــــ عبد المنان چوہان

شرح چندہ } سالانہ بارہ روپے + ششماہی - سات روپے + سہ ماہی - ساڑھے تین روپے

شرح اشتہارات

آخری صفحہ ۴ روپے فی انچ سنگل کالم + اندرون ۳ روپے فی انچ سنگل کالم

